فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں (القرآن)

خزینۃ الفقہ

ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

سرگودھا، پنجاب، پاکستان

0304.5845090 0313.7013113

Arazvi425@gmail.com

فہرست مضامین

کیاموجودہ اولادِ ہاشم بھی اہلبیت ہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا اب تک کی اولادِ ہاشم اور سادات کرام، اہلبیت میں شمار ہوں گے؟ نیز سادات کرام وہاشمی صاحبان کی تعظیم و توقیر اور انہیں زکوۃ و فطرہ دینے سے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا

سائلہ: اسلامی بہن (پاکستان)

الجواب

جی ہاں! اب تک کی اولادِ ہاشم اور سادات کرام اہلبیت میں شمار ہوں گے کہ ہاشمی سے مراد حضرت عبد المطلب کے بیٹے حضرت عباس وحارث اور پوتے حضرت مولیٰ علی وجعفر و عقیل رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اولادیں ہیں، جبکہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجھہ الکریم کی جو اولاد حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہیں ان کو اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اولاد کو سید کہا جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے! ہر سید ہاشمی ضرور ہے مگر ہر ہاشمی سید ہو یہ ضروری نہیں۔

یادرھے! سادات کرام کی طرح ہاشمی حضرات کو بھی زکوۃ وفطرہ اور دیگر صدقات واجبہ دینا جائز نہیں کہ زکوۃ فطرہ مال کا میل ہیں اور میل کچیل سادات کرام وہاشمی صاحبان کو پیش کرنا ان کے شایانِ شان نہیں ہے اور اگر کسی نے انہیں زکوۃ دی تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ سادات کرام وہاشمی صاحبان کی خدمت اپنے پاکیزہ وستھرے مال سے بطور نذرانہ کریں۔

یہ بھی یادرھے! صحیح العقیدہ سنی سادات کرام یا ہاشمی حضرات کی تعظیم وتکریم ہمیشہ لازم ہے، ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو سید یا ہاشمی کہلاتا ہو لیکن اس کے عقائد و نظریات حد کفر تک پہنچے ہوں تو ان کی تعظیم و توقیر ہرگز جائز نہیں کیونکہ اس کے عقائد کا کفریات پر مشتمل ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سید یا ہاشمی ہے ہی نہیں کیونکہ اہلبیت پاک کیلئے آیت تطہیر میں رب تعالیٰ نے تطہیر (یعنی پاکی) کا اعلان فرمایا ہے جبکہ کفر سے بڑھ کر کوئی نجاست و آلودگی ہو ہی نہیں سکتی۔

همارا ایمان ھے کہ خونِ رسول ﷺ میں کبھی بھی کفر جیسی ناپاکی وآلودگی داخل نہیں ہوسکتی، جیسے ابولہب کہ حضور کا سگا چچا ہونے کے باوجود اہلبیت پاک میں شامل نہ ہوسکا کہ وہ تو کفر کی نجاست سے آلودہ تھا جبکہ اہلبیت میں شامل ہونے کیلئے ایمان جیسی عظیم پاکیزگی لازم وضروری ہے۔ لہذا جس کا ایمان وعقیدہ درست نہیں اس کا سید وہاشمی ہونے کا دعویٰ بھی درست نہیں۔

البتہ اگر کوئی سید وہاشمی صاحب درست عقائد و نظریات کے حامل ہوں لیکن اعمالِ صالحہ میں قدرے کمزور ہوں تو بھی ان کی تعظیم و توقیر کی جائے گی۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حکیم الامت **مفتی احمد یار خان نعیمی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مراۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

اہلبیت کے معنیٰ ہیں گھر والے، اہلبیت رسول چند معنیٰ میں آتا ہے:

1:- جن پر زکوۃ لینا حرام ہے یعنی بنی ہاشم عباس، علی، جعفر، عقیل، حارث کی اولاد (علیہم الرضوان)

2:- حضور ﷺ کے گھر میں پیدا ہونے والے (صاحبزادے و صاحبزادیاں و حضرات حسنین کریمین علیہم الرضوان)

3:- حضور کے گھر میں رہنے والے جیسے ازواج پاک (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

4:- حضور ﷺ کے گھر میں آنے جانے والے، جیسے حضرت زید بن حارثہ اور اسامہ ابن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد 8، کتاب المناقب، صفحہ 372، نعیمی کتب خانہ، لاہور)

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان ھذہ الصدقات انما ھی او ساخ الناس و انھا لا تحل لمحمد و لا لآل محمد ﷺ"

ترجمہ: یہ صدقات لوگوں کے (اموال کے) میل ہی ہیں اور یہ محمد و آل محمد ﷺ کیلئے حلال نہیں۔

(صحیح مسلم، جلد 1، کتاب الزکوۃ، صفحہ 403، حدیث 2482، مطبوعہ لاہور)

اس پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس نام سے باب باندھا:

"باب تحریم الزکوۃ علیٰ رسول اللہ صلی للہ علیہ و سلم و علیٰ آلہ و ھم بنو ھاشم و بنو المطلب دون غیرھم"

یعنی رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر زکوۃ کا حرام ہونا نہ کہ ان کے علاوہ پر اور آپ کی آل بنو ہاشم و بنو عبد المطلب ہیں۔

امام مسلم علیہ الرحمہ کے اس باب سے ثابت ہوا کہ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب بھی آلِ محمد ہیں۔

امام بغوی تفسیر معالم التنزیل المعروف بہ تفسیرِ بغوی میں فرماتے ہیں:

"قال زید بن ارقم: اھل البیت من حرم الصدقۃ بعدہ آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس"

یعنی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت وہ سب لوگ ہیں جن پر صدقہ کا مال لینا حرام کر دیا گیا۔ یعنی اولاد علی، اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس، اور اولاد حارث بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(تفسیر معالم التنزیل، جلد 5، سورۃ الاحزاب، آیت 33، صفحہ 138، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زکوۃ سادات کرام وسائر (تمام) بنی ہاشم پر حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے آئمہ ثلاثہ بلکہ آئمہ مذاہب اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع قائم۔ امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "المیزان الکبریٰ" میں فرماتے ہیں:"

اتفق الائمۃ الاربعۃ علیٰ تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ھاشم و بنی عبد المطلب و ھم خمس بطون آل علی و آل العباس و آل جعفر و آل عقیل و آل الحارث بن عبد المطلب ھذا من مسائل الاجماع و الاتفاق اھ (ملخصا)"

ترجمہ: اس پر بھی اتفاق ہے کہ فرض صدقہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو لینا حرام ہے اور وہ پانچ شاخہائے قبیلہ ہیں (1) اولاد علی (2) آل عباس (3) اولاد جعفر (4) اولاد عقیل (5) آل حارث بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 99۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اہلبیت پر صدقات واجبہ کی وجہِ تحریم بیان کرتے ہوئے امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بنی ہاشم کو زکوۃ و صدقات واجبات دینا زنہار جائز نہیں، نہ انھیں لینا حلال۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس کی تحریم میں آئیں، اور علتِ تحریم ان کی عزّت و کرامت ہے کہ زکوٰۃ مال کا مَیل ہے اور مثل سائر صدقاتِ واجبہ غاسل ذنوب، تو ان کا حال

مثل ماءِ مستعمل کے ہے جو گناہوں کی نجاسات اور حدث کے قاذورات دھو کر لایا اُن پاک لطیف سُتھرے لطیف اہلبیت طیب وطہارت کی شان اس سے بس ارفع واعلیٰ ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودگی کریں۔ (فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 271، رضافاؤنڈیشن لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"بیشک اس تحریم کی علت ان حضرات عالیہ کی عزت وکرامت ونظافت وطہارت کہ زکوۃ مال کا میل ہے اور گناہوں کا دھوون، اس ستھری نسل والوں کے قابل نہیں خود حضوراقدس صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی،،

(فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 100، رضافاؤنڈیشن لاہور)

معلوم ہوا زکوۃ مال کا میل ہے اس وجہ سے اولادبنی ہاشم وسادات کرام کو دینااورانہیں لینا جائز نہیں لیکن کیا یہ تحریم فقط زمانہ نبوی کے اولادبنی ہاشم وسادات کرام کیلئے تھی یا قیامت تک کے اہلبیت کیلئے ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اسی طرح عامہ علماء مثل امام ابوجعفر طحاوی۔۔اوران کے غیر اس حکم (یعنی سادات کرام واولادبنی ہاشم پر زکوۃ کے حرام ہونے) کی یہی علت (وجہ) بیان فرماتے ہیں، اور شک نہیں کہ یہ علت تغیرِ زمانہ (زمانہ بدلنے) سے متغیر (تبدیل) نہیں ہوسکتی تو دائماً ابداً (ہمیشہ ہمیشہ) بقائے حکم (یعنی ان پر ہمیشہ زکوۃ وغیرہ کے حرام ہونے کے حکم کے باقی رہنے) میں کوئی شبہ نہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 101، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

مزید فرماتے ہیں: رہا یہ کہ پھر اس پر آشوب (پر فتن) زمانہ میں حضرات سادات کرام (وبنی ہاشم) کی مواسات کیونکر ہو؟

پھر اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اقول: بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطور ہدیہ ان حضراتِ عُلیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وُہ وقت یاد جب ان حضرات کے جدّ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا وماوی نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وُہ مال جو اُنھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہُوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جواد کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔

"ابن عساکر امیر المؤمنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"من صنع الی اهل بیتی یدا کافاته علیها یوم القیمة،،

یعنی جو میرے اہل بیت میں سے کسی کیساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روز قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔

خطیب بغدادی امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"من صنع صنیعة الیٰ احد من خلف عبد المطلب فی الدنیا فعلی مکافاته اذا لقینی،،

یعنی جو شخص اولاد عبد المطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وہ روز قیامت مجھ سے ملے گا۔

(فتاویٰ رضویہ، ج10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 105، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

سادات کرام کی تعظیم و توقیر کے بارے میں آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یہ فقیر ذلیل بحمدہ تعالیٰ حضرات ساداتِ کرام کا ادنیٰ غلام و خاکپا ہے۔ ان کی محبت و عظمت ذریعہ نجات و شفاعت جانتا ہے، اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ **سیّد اگر بدمذہب بھی ہو جائے تو اس کی تعظیم نہیں جاتی جب تک بدمذہب حدِ کفر تک نہ پہنچے، ہاں بعدِ کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے۔** اور یہ بھی فقیر بارہا فتوٰی دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ اور خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو بُرا کہنا مطعون کرنا ہرگز جائے نہیں۔ "**الناس امنأعلی انسابھم**" (لوگ اپنے نسب پر امین ہیں)، ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سیّد نہیں اور وہ سید بنے اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہو گا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کر دیا جائے۔

(فتاویٰ رضویہ: جلد29، صفحہ 588، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہوں ان اعمال کے سبب اس سے تنفر (نفرت) نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی ہاں اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی، قادیانی، نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت وہی نہ رہی۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد22، صفحہ 423، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں: "ائمہ دین اولیائے کاملین علمائے عالمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تصریح فرماتے ہیں کہ ساداتِ کرام بحمد اللہ تعالیٰ خباثت کفر سے محفوظ و مصئون ہیں جو واقعی سید ہے اس سے کبھی کفر واقع نہ ہو گا۔"

قال اللہ تعالیٰ: انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا"۔ (القرآن الکریم ۳۳/۳۳)

اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے اے نبی کے گھر والو! اور تمہیں خوب پاک کر دے ستھرا کر کے۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جب عام صالحین کی صلاح ان کی نسل و اولاد کو دین و دنیا و آخرت میں نفع دیتی ہے تو صدیق و فاروق و عثمان و علی و جعفر و عباس و انصار کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صلاح کا کیا کہنا۔ جن کی اولاد میں شیخ۔ صدیقی و فاروقی و عثمانی و علوی و جعفری و عباسی و انصاری ہیں۔ یہ کیوں نہ اپنے نسب کریم سے دین و دنیا و آخرت میں نفع پائیں گے۔ پھر اللہ اکبر حضرات علیہ سادات کرام۔ اولاد امجاد حضرت خاتون جنت بتول زہرا کہ حضرت پر نور سید الصالحین سید العالمین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں کہ ان کی شان تو ارفع و اعلیٰ و بلند و بالا ہے ____

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا"۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور رکھے اے نبی کے گھر والو، اور تمھیں ستھرا کر دے خوب پاک فرما کر۔ (القرآن الکریم ۳۳/ ۳۳)

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

"**وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لایعذبھم رواہ الحاکم، عن انس رضی اﷲ تعالیٰ عنہ وصححہ ھو ثم ابن حجر فی صواعقہ۔**"۔

میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایاہے کہ میرے اہل بیت سے جو شخص اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان لائے گا اسے عذاب نہ فرمائے گا۔ اس کو روایت کیاہے حاکم نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اسے صحیح کہا، پھر ابن حجر نے اپنی صواعق میں۔

(المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۵۰)

(فتاوی رضویہ: جلد 23، صفحہ 244، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

تفسیر قرطبی آیہ کریمہ "**ولسوف یعطیک ربّک فترضٰی**" کی تفسیر میں حضرت ترجمان القرآن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل کہ انہوں نے فرمایا: "**رضا محمد صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم ان لایدخل احد من اھل بیتہ النّار**"

یعنی اللہ عزوجل نے حضور اقدس ﷺ سے راضی کردینے کا وعدہ فرمایا اور محمد ﷺ کی رضا اس میں ہے کہ ان کے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔ (الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی) تحت اٰیۃ ولسوف یعطیک ربک، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰/ ۹۵)

نار دو قسم کی ہے: نارِ تطہیر کہ مومن عاصی جس کا مستحق ہو، اور **نارِ خلود** کافر کے لئے ہے۔

اہل بیت کرام میں حضرت امیر المؤمنین مرتضی و حضرت بتول زہرا و حضرت سید مجتبٰی و حضرت شہید کربلا صلی اللہ تعالیٰ علٰی سیدہم و علیہم وبارک وسلم تو بالقطع والیقین ہر قسم سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ ہیں اس پر تو اجماع قائم اور نصوص متواترہ حاکم باقی نسل کریم تا قیام قیامت کے حق میں اگر بفضلہٖ تعالیٰ مطلق دخول سے محفوظی لیجئے اور یہی ظاہر لفظ سے متبادر، اور اسی طرف کلماتِ اہل تحقیق ناظر، جب تو مراد بہت ظاہر، اور منع خلود مقصود جب بھی نفی کفر پر دلالت موجود۔

شرح المواہب للعلامۃ الزرقانی میں زیر حدیث مذکور:

"**انما سمیت فاطمۃ ھی فاما ھی وابنا ھا فالمنع مطلق واما من عداھم فالممنوع عنھم نار الخلود، واما ماروا ہ ابو نعیم والخطیب ان علیا الرضا بن موسی الکاظم ابن جعفر الصادق سئل عن حدیث ان فاطمۃ احصنت فقال خاص بالحسن و الحسین وما نقلہ الاخباریون عنہ من توبیخہ لاخیہ زید حین خرج علی المامون وقولہ اغرک قولہ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم ان فاطمۃ احصنت الحدیث ان ھذا لمن خرج من بطنھا لا لی ولا لک فھذا من باب التواضع وعدم الاغترار بالمناقب وان کثرت کما کان الصحابۃ المقطوع لھم بالجنّۃ علی غایۃ من الخوف والمراقبۃ والا فلفظ ذریۃ لایخص بمن خرج من بطنھا فی لسان العرب ومن ذریتہ داؤد وسلیمٰن الاٰیۃ وبینھم وبینہ قرون کثیرۃ فلایرید ذٰلک مثل علی الرضا مع فصاحتہ ومعرفتہ لغۃ العرب علی ان التقلید بالطائع یبطل خصوصیۃ ذریتھا ومحبیھا الا ان یقال اﷲ تعالی تعذیب الطائع فالخصوصیۃ ان لایعذبہ اکراما لھا واﷲ اعلم، اھ مختصرا**"

بیشک فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ نام ہے لیکن فاطمہ اور ان کے بیٹے تو ان پر مطلقاً جہنم کی آگ ممنوع ہے لیکن ان کے ماسوا کے لئے جہنم کا خلود ممنوع ہے۔ آپ پر اور ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو۔

لیکن جو ابو نعیم اور خطیب نے روایت کیا ہے کہ علی رضا بن موسٰی کاظم ابن جعفر الصادق سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا کہ فاطمہ نے اپنے حرم گاہ کو محفوظ رکھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا یہ حسن اور حسین کے لئے خاص ہے اور وہ جو مورخین نے ان سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے اپنے بھائی زید کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا جب اس نے مامون پر خروج کیا اور کہا کیا تجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان نے غرور میں مبتلا کیا ہے کہ فاطمہ نے اپنی حرم گاہ کو محفوظ رکھا ہے۔(الحدیث)

اس پر انہوں نے فرمایا یہ میرے اور تیرے لئے خاص نہیں بلکہ جو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بطن سے پیدا ہوا ہے ان سب کے لئے ہے، تو یہ تواضع اور مناقب کثیرہ کے باوجود غرور نہ کرنے کے باب سے ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے جنت قطعی ہے اس کے باوجود وہ خوف و مراقبہ میں مبتلا تھے، ورنہ تو ذریت کا لفظ عربی زبان میں ایک پیٹ کی اولاد کے لئے خاص نہیں، جیسے آیہ کریمہ " ومن ذریته داؤد وسلیمٰن" ہے، حالانکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور داؤد و سلیمٰن علیہما السلام کے درمیان کئی قرون کا فاصلہ ہے، لہٰذا علی رضا اپنی فصاحت اور عربی لغت کی معرفت کے باوجود یہ خاص مراد نہیں لے سکتے، علاوہ ازیں نافرمان کی تقلید حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کی خصوصیت کو باطل کر دیتی ہے، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو نافرمان کی تعذیب کا اختیار ہے لیکن حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے اکرام کے لئے اُسے عذاب نہیں دیتا، واللہ تعالٰی اعلم اھ مختصراً۔

(شرح الزرقانی المواہب اللدنیۃ، المقصد الثانی، الفصل الثانی، دارالمعرفۃ، بیروت، ۳/ ۲۰۳)

"ورأیتنی کتبت علی ھامش قوله الا ان یقال ما نصه۔ اقول ولا یجدی فان الوقوع ممنوع باجماع اھل السنة واما الامکان فثابت عند من یقول به الی خلاف ائمتنا الماتریدیة رضی اللہ تعالٰی عنھم فانھم یحیلونه وقد تکلمت فی مسئلة علی ھامش فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم بما یکفی ویشفی فانی اجدنی فیھا ارکن وامیل الی قول ساداتنا الاشعریة رحمھم اللہ تعالٰی ورحمنا بھم جمیعا واللہ اعلم بالصواب فی کل باب"۔

میں نے زرقانی کے قول "الا ان یقال" پر حاشیہ لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے:

اقول (میں کہتا ہوں) ان کا یہ بیان مفید نہیں ہے عذاب کا وقوع تو باجماع اہلسنّت ممنوع ہے، باقی رہا امکان تو یہ اس قائل کے ہاں ثابت ہے جو ہمارے ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ محال سمجھتے ہیں، میں نے اس مسئلہ پر کتاب مسلم الثبوت کی شرح بحر العلوم فواتح الرحموت پر حاشیہ میں کافی اور شافی بحث کی ہے میں نے وہاں اپنے کو سادات اشعریہ رحمہم اللہ کے قول کی طرف مائل پایا، اللہ تعالٰی ہم سب پر رحم فرمائے۔(واللہ تعالٰی اعلم)

فتاوٰی حدیثیہ امام ابن حجر مکی میں ہے:

"اذا تقرر ذٰلک فمن علمت نسبته الی اٰل البیت النبوی والسر العلوی لا یخرجه عن ذٰلک عظیم جنایته ولا عدم دیانته وصیانته ومن ثم قال بعض المحققین ما مثال الشریف الزانی او الشارب او السارق مثلاً اذا اقمنا علیه الحد الا کامیر او سلطان تلطخت رجلاہ بقذر فغسله عنھما بعض خدمه ولقد بر فی ھذا المثال وحقق ولیتأمل قول الناس فی امثالھم الولد العاق لا یحرم المیراث نعم الکفران فرض وقوعه لاحد من اھل البیت والعیاذ باللہ تعالٰی ھو الذی یقطع النسبة بین من وقع منه وبین شرفه

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما قلت ان فرض لانني اکاد ان اجزم ان حقیقۃ الکفر لا تقع ممن علم اتصال نسبہ الصحیح بتلک البضغۃ الکریمۃ حاشاھم اللہ من ذٰلک وقد احال بعضھم وقوع نحو الزنا واللواط ممن علم شرفہ فما ظنک بالکفر "

توجب یہ ثابت ہوا تو جس کی نسبت اہلبیت نبی اور علوی حضرات کی طرف معلوم ہے تو اس کی بڑی جنایت اور عدم دیانت وصیانت اس کو اس نسبت سے خارج نہ کرے گی، اس بات کی بناء پر بعض محققین نے فرمایا زانی یا شرابی یا چور سید پر حد قائم کرنے کی مثال صرف یہی ہے جیسے امیر یا سلطان کا کوئی خادم اس کے پاؤں پر لگی نجاست کو صاف کرے، اس مثال کو غور سے سمجھا جائے اور لوگوں کی اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ نافرمان اولاد وراثت سے محروم نہیں ہوتی، ہاں اگر ان حضرات سے کفر کا وقوع فرض کیا جائے، والعیاذ باللہ، تو اس سے وہ نسبت منقطع ہو جائے گی، میں نے صرف فرض کرنے کی بات اس لئے کی ہے کیونکہ مجھے جزم کی حد تک یقین ہے کہ جو صحیح النسب سید ہو اس سے حقیقی کفر کا وقوع نہیں ہو سکتا اللہ تعالٰی ان کو اس سے بلند رکھے، بعض نے ان سے زنا اور لواطت جیسے افعال کو بھی محال کہا ہے بشرطیکہ ان کی نسبی شرافت یقینی ہو تو پھر کفر کے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔

(فتاوٰی حدیثیہ، طلب ما الحکمۃ فی خصوص اولاد فاطمہ بالمشرف، المطبعۃ الجمالیہ، مصر، ص ۱۲۲)

امام الطریقۃ لسان الحقیقۃ شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ باب ۲۹ میں فرماتے ہیں:

" لما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدا مخصا قد طھرہ اللہ واھل بیتہ تطھیرا واذھب عنھم الرجس وھو کل ما یشینھم فھم المطھرون بل ھم عین الطھارۃ فھذہ الاٰیۃ تدل علی ان اللہ تعالٰی قد شرک اھل البیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی قولہ تعالٰی لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر، وای وسخ وقذر من الذنوب فطھر اللہ سبحانہ نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالمغفرۃ ممّاھو ذنب بالنسبۃ الینا فدخل الشرفاء اولاد فاطمۃ کلھم رضی اللہ تعالٰی عنھم الی یوم القیمۃ فی حکم ھذہ الاٰیۃ من الغفران الی اٰخر "

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالٰی کے خاص عبد ہیں کہ ان کو اور ان کے اہل بیت کو کامل طور پر پاک کر دیا ہے اور ناپاکی کو ان سے دور کر دیا ہے اور رجس ہر ایسی چیز ہے جو ان حضرات کو داغدار کرے تو وہ پاکیزہ لوگ بلکہ وہ عین طہارت ہیں، تو اللہ تعالٰی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اہل بیت کو طہارت میں شریک فرمایا ہے جس پر آیہ کریمہ ہے "لیغفر لک اللہ" اللہ تعالٰی نے آپ کے لئے پہلے اور پچھلے آپ کے خطایا معاف کر دئے یعنی گناہوں کی میل وقذر سے آپ کو پاک رکھا ہے جو ہماری نسبت سے گناہ ہو سکتے ہیں تو تمام سادات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد اس حکم میں داخل ہے۔۔۔ الخ

(الفتوحات المکیۃ، الباب التاسع والعشرون، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/ ۱۹۶)

یہ وجوہ ہیں ورنہ حاشا اللہ ہزار ہزار حاشا اللہ نہ بطن پاک حضرت بتول زہرا میں معاذ اللہ کفر و کافری کی گنجائش، نہ جسم اطہر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی پارہ کتنے ہی بُعد پر عیاذاً باللہ دخولِ نار کے لائق، الحمد للہ یہ دو دلیل جلیل واجب التعویل ہیں۔

تین قیاس پر مشتمل

دلیل اوّل: (۱) یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر نجس۔ **نتیجہ:** یہ شخص نجس ہے۔

(۲) ہر سید صحیح النسب طاہر ہے اور کوئی طاہر نجس نہیں، **نتیجہ:** کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

(۳)اب یہ دونوں نتیجے ضم کیجئے یہی شخص نجس ہے اور کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔ **نتیجہ:** یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

قیاس اول کا صغرٰی مفروض اور کبرٰی منصوص اور دوم کا صغرٰی منصوص اور کبرٰی بدیہی تو نتیجہ قطعی۔

دلیل دوم:

قیاس مرکب، یہ بھی تین قیاسوں کو متضمن، یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر مستحقِ نار۔

نتیجہ: یہ شخص مستحقِ نار ہے اور نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا کوئی پارہ مستحقِ نار نہیں۔

نتیجہ: یہ شخص نبی ﷺ کے جسمِ اقدس کا پارہ نہیں اور ہر سید صحیح النسب نبی ﷺ کے جسم اقدس کا پارہ ہے۔

نتیجہ: یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

پہلا کبرٰی منصوص قرآن، اور دوسرے کا شاہد ہر مومن کا ایمان، اور تیسرا عقلاً وفقہاً اوضح البیان۔

(فتاوی رضویہ، جلد15، صفحہ148، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اب تک کی اولادِ ہاشم اور سادات کرام بھی اہلبیت میں شمار ہوں گے جیسا کہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ کے کلام سے ظاہر ہے۔ لیکن یاد رہے! مذکورہ تمام احکام صحیح العقیدہ اولادِ ہاشم وسادات کرام کے ہیں، نہ کہ بدعقیدہ کیلئے کہ وہ اہلبیت میں ہرگز شمار نہ ہوں گے کہ اس کی بدعقیدگی کے باعث اس کا نسب منقطع ہو گیا۔

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"سادات کرام کی تعظیم ہمیشہ (کی جائے گی) جب تک ان کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچے کہ اس کے بعد وہ سید ہی نہیں، نسب منقطع ہے۔ اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

"قال ینوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح.." (پ12، ھود:46)

ترجمہ کنزالایمان: "فرمایا! اے نوح! وہ (یعنی تیرا بیٹا کنعان) تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔"

بدمذھب جن کی بدمذہبی حد کفر کو پہنچ جائے اگرچہ سید مشہور ہوں نہ سید ہیں، نہ ان کی تعظیم حلال بلکہ توہین وتکفیر فرض۔

(فتاوی رضویہ، جلد22، کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ 421۔ ملخصاً، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"بنی ہاشم حضرت علی وجعفر وعقیل اور حضرت عباس وحارث بن عبد المطلب کی اولادیں ہیں۔ ان کے علاوہ جنہوں نے نبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی اعانت نہ کی مثلاً ابو لہب کہ اگرچہ یہ کافر بھی حضرت عبد المطلب کا بیٹا تھا مگر اسکی اولادیں بنی ہاشم میں شمار نہ ہوں گی"۔

(بہار شریعت، جلد1، حصہ5، زکاۃ کا بیان، صفحہ 931، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

1 جمادی الاولیٰ 1441ھ 29 دسمبر 2019

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

نمازی کی پیشانی پر محراب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ بعض نمازیوں کی پیشانی پر کثرتِ نماز کے سبب جو سیاہ داغ بن جاتا ہے (جسے عرفِ عام میں محراب کہتے ہیں) اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ "یہ بیکار ہے"۔ بینوا و توجروا

سائل: عبد اللہ (پاکستان)

الجواب

کثرتِ نماز اور سجدے میں پیشانی کو اچھی طرح جمانے کے سبب بعض نمازیوں کی پیشانی پر سیاہ داغ بن جاتا ہے جس کا زائل کرنا نمازی کیلئے ناممکن اور بعض اسلافِ کرام رحمہ اللہ السلام کی پیشانی پر بھی اس کا ہونا ثابت۔ بالخصوص سیدنا امام سجاد زین العابدین علی بن حسین بن علی المرتضیٰ و حضرت علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کہ ان کو اس نورانی نشان کے سبب **"ذو الثفنات"** یعنی گھٹے والا کہا جاتا تھا۔ لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ "یہ بیکار ہے" ہرگز درست نہیں۔

یاد رہے! جن روایات میں اس نشان کو مذموم فرمایا گیا ان سے مراد دکھاوے کیلئے جان بوجھ کر بنانا ہے۔ چنانچہ

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اقول: (میں کہتا ہوں) اس روایت کا حال اللہ جانے اور بفرض ثبوت وہ اس پر محمول جو دکھاوے کیلئے ماتھے اور ناک کی مٹی نہ چھڑائے کہ لوگ جانیں یہ ساجدین سے ہے اور وہ انکار بھی سب اسی صورتِ ریاء کی طرف راجع ورنہ کثرت سجود یقیناً محمود اور ماتھے پر اس سے نشان خود بن جانا نہ اس کا روکنا اس کی قدرت میں ہے نہ زائل کرنا نہ اس کی اس میں کوئی نیتِ فاسدہ ہے تو اس پر انکار نا متصور اور مذمت ناممکن بلکہ من جانب اللہ اس کے عملِ حُسَن کا نشان اس کے چہرے پر ہے تو زیرِ آیہ کریمہ **"سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود"** داخل ہو سکتا ہے کہ جو معنیٰ فی نفسہ صحیح ہو اور اس پر دلالتِ لفظ مستقیم اسے معانیِ آیاتِ قرآنیہ سے قرار دے سکتے ہیں۔ **کما صرح بہ الامام حجۃ الاسلام و علیہ درج عامۃ المفسرین الاعلام۔**

اب یہ نشان اسی محمود و مسعود نشانی میں داخل ہوگا جس کی تعریف اس آیت کریمہ میں ہے کہ بلا شبہ یہ امر جس طور پر ہم نے تقریر کی فی نفسہ عمل حسن سے ناشی اور اس کی نشانی اور الفاظ آیت کریمہ میں اس کی گنجائش ہے لاجرم (یقیناً) تفسیر نیشاپوری میں اسے بھی آیت میں برابر کا محتمل رکھا۔ تفسیر کبیر میں اسے بھی تفسیر آیت میں ایک قول بتایا۔ کشاف و ارشاد العقل میں اسی پر اعتماد کیا۔ بیضاوی نے اسی پر اقتصار کیا اور اس کے جائز بلکہ محمود ہونے کو اتنا بس ہے کہ سیدنا امام سجاد زین العابدین علی بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی پیشانی نورانی پر سجدہ کا یہ نشان تھا۔

مفاتیح الغیب میں ہے:

"قولہ تعالیٰ سیماھم فی وجھان احدھما ان ذلک یوم القیمۃ وثانیھما ان ذلک فی الدنیا وفیہ وجھان احدھما ان المراد مایظھر فی الجباہ بسبب کثرۃ السجود الخ"

(یعنی اس علامت میں دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ قیامت میں ہوگی۔ دوسری: یہ کہ دنیا میں ہے اور اس خیر میں دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ مراد وہ اثر ہے جو کثرت سجدہ سے پیشانیوں پر ظاہر ہوتا ہے۔)

انوارالتنزیل میں ہے:

"یرید اسمة التی تحدث فی جباههم من کثرة السجود"

(یعنی وہ داغ مراد ہے جو انکی پیشانیوں میں کثرت سجدہ سے ہو۔)

رغائب القرآن میں ہے:

"یجوز ان تکون العلامة امدا محسوساً و کان کل من علی بن حسین زین العابدین و علی بن عبداللہ یقال له ذو الثفنات لان کثرة سجودهما احدثت فی مواضع السجود منهما اشباه ثفنات البعیه والذی جاء فی الحدیث لاتعلبوا اصورکم ای لاتخذ شوها و عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما ان رای رجلا اثر فی وجهه السجود فقال ان صورتک انفک و وجهک فلاتعلب وجهک و لاتسن صورتک محمول علی التعمد ریاء و سمعة و یجوز ان یکون امرا معنویا من البهاء و النور"۔

(یعنی یہ جو علامت سجدہ کہ آیت میں ذکر فرمائی جائز ہے کہ امرِ محسوس ہو۔ امام علی بن حسین زین العابدین وحضرت علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں کو گھٹے والے کہاجاتا کہ کثرت سجدہ سے دونوں صاحبوں کی پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر گھٹے پڑ گئے تھے اور وہ جو حدیث میں کہ اپنی صورتیں داغی نہ کرو اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ "انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے چہرے (یعنی ناک) پر سجدے کا نشان ہو گیا تھا اس سے فرمایا:

تیرے ناک اور منہ تیری صورت میں سے ہیں تو اپنا چہرہ داغی نہ کر اور اپنی صورت عیبی نہ بنا،، یہ اس پر محمول ہے کہ دکھاوے کیلئے قصدا گھٹی ڈالے اور جائز ہے کہ وہ علامت امرِ معنوی ہو یعنی صفا و نورانیت۔)

کشاف میں ہے:

"المراد بها السمة التی تحدث فی جبهة السجاد من کثرة السجود و قوله تعالیٰ من اثر السجود یفسرها ای من التاثیر الذی یؤثره السجود و کان کل من العلیین علی بن الحسین زین العابدین و علی بن عبداللہ بن عباس ابی الاملاک یقال له والثفنات لان کثرة سجودهما احدثت فی مواقعه منهما اشباه ثفنات البعیر و کذا عن سعید بن جبیر هی اسمة فی الوجه فان قلت فقد جاء عن النبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیه وسلم لاتعلبوا اصورکم و عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما انه رای رجلا قد اثر فی وجهه السجود فقال ان صورة وجهک انفک فلاتعلب وجهک و لاتشن صورتک قلت ذالک اذا اعتمد بجهته علی الارض لتحدث فیه تلک السمته و ذالک ریاء نفاق یستعاذ بالله منه و نحن فیما حدث فی جبهة السجاد الذی لایسجد الاخالصاً لوجه اللہ تعالیٰ و عن بعض المتقدمین کنا نصلی فلایزی بین اعیننا شئی و نری احدنا الاٰن یصلی فیری بین عینیه رکبة البعیر فماندری اثقلت الارؤس ام خشنت الارض و انما ارادبذلک من تعمد ذلک للنفاق"۔

(یعنی اس نشانی سے داغ مراد ہے کہ کثیر السجدہ شخص کی پیشانی میں کثرت سجود سے پیدا ہوتا ہے اور وہ جو فرمایا کہ **"سجدے کے اثر سے،،** یہ اس مراد کو واضح کرتا ہے یعنی اس تاثیر سے جو سجدہ سے پیدا ہوتی ہے اور دونوں علی امام علی بن حسین زین العابدین وحضرت علی بن عبد اللہ بن عباس پدرِ خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم گھٹے والے کہلاتے کہ کثرت سجود سے ان کی پیشانی وغیرہ مواضعِ سجود پر گھٹے

پڑ گئے تھے اور یونہی امام سعید بن جبیر سے اسکی تفسیر مروی ہے کہ **"وہ چہرہ پر نشان ہے"**۔ اب اگر تو کہے کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو حدیث یہ آئی ہے کہ **"اپنی صورتیں داغی نہ کرو"** اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ "انہوں نے ایک شخص کے چہرے پر داغِ سجدہ دیکھ کر فرمایا:

تیرے چہرے میں سے ہی تیری ناک ہے تو اپنا چہرہ داغی نہ کر اور اپنی صورت نہ بگاڑ" میں کہوں گا کہ یہ اس کے بارے میں ہے جو زمین پر پیشانی زور سے گھسیٹے تاکہ یہ داغ پیدا ہو جائے یہ ریاء و نفاق ہے کہ اس سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگی جاتی ہے اور ہمارا کلام اس نشان میں ہے جو اس کثیر السجود کے چہرے میں خود پیدا ہوتا ہے اور وہ خالص اللہ عزوجل ہی کیلئے سجدہ کرتا ہے اور بعض سلف نے کہا ہم نماز پڑھتے تو ہمارے ماتھوں پر کچھ نشان نہ ہوتا پس اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے تو اسکے ماتھے پر گھٹا ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو جان بوجھ کر نفاق کی وجہ سے گھٹا بنائے۔)

تفسیر علامہ ابو السعود آفندی میں ہے:

"(سیماھم) ای سمتھم (فی وجوھھم) ای جباھھم (من اثر السجود) ای من التاثیر الذی یؤثرہ کثرۃ السجود و ما روی من قولہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تعلبو اصورک ای لا تسموھا انما ھو فیما اذا اعتمد بجبھتہ علی الارض لیحدث فیھا تلک السمۃ و ذلک محض ریاء و نفاق و الکلام فیما حدث فی جبھۃ السجاد الذی لا یسجد الا خالصا لوجہ اللہ عزوجل و کان الامام زین العابدین و وعلی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھم یقال لھاذو الثفنات لما احدثت کثرۃ سجودھما فی مواقعہ منھما اشباہ شننات البعیر قال قاتلھم دیار علی و الحسین و جعفرہ و حمزۃ و السجاد ذی الثفتات"۔ (اس عبارت کا خلاصہ وہی ہے جو مذکورہ عبارتِ تفسیرِ کشاف کا ہے۔)

نہایہ و مجمع البحار میں ہے:

"حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ رای رجلا بانفہ اثر السجود و قال لا تعلب صورتک یقال علیہ اذا وسمہ المعنیٰ لا تؤثر فیھا بشدۃ اتکائک علی انفک فی السجود"۔

(یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی ناک پر سجدہ کا داغ دیکھا فرمایا:

اپنی صورت داغی نہ کر "یعنی سجدے میں ناک پر اتنا زور نہ دے کہ داغ پڑ جائے۔)

ناظر عین الغریبین و مجمع بحار الانوار میں ہے:

"ای لا تشینن صورتک بشدۃ انتحائک علی انفک بالجملۃ"۔

(ترجمہ: حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے یہ معنی ہیں کہ ناک پر بشدت زور ڈال کر اپنی صورت نہ بگاڑ۔)

مزید امام اہلسنت علیہ الرحمہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اس میں شکوک و شبھات کا شکار ہے:

زید کا قول باطل محض ہے اور امام زین العابدین و حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے مبارک چہروں پر یہ نشان ہونا اس کے قول کو اور بھی مردود کر رہا ہے اور ایک جماعت علماء کے نزدیک آیہ کریمہ میں یہ مراد ہونا جس سے ظاہر کہ صحابہ کرام کے بھی یہ نشان تھا اور یہ کہ اللہ عزوجل نے اس کی تعریف فرمائی اب تو قولِ زید شناعت کی کوئی حد نہیں رکھے گا۔

مزید فرماتے ہیں: امید ہے کہ قبر میں ملائکہ کیلئے اس کے ایمان و نماز کی نشانی ہو اور روز قیامت یہ نشان آفتاب سے زیادہ نورانی ہو جبکہ عقیدہ مطابقِ اہلسنت وجماعت صحیح و حقانی ہو ورنہ بد دین گمراہ کی کسی عبادت پر نظر نہیں ہوتی جیسا کہ ابن ماجہ وغیرہ کی احادیث میں نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یہی وہ دھبے ہیں جسے خارجیوں کی علامت کہا گیا۔ بالجملہ مذھب کا دھبہ مذموم اور سنی (صحیح العقیدہ) میں دونوں احتمال ہیں، ریاء ہو تو مذموم ورنہ محمود۔ اور کسی سنی پر ریاء کی تہمت تراش لینا اس سے زیادہ مذموم ومردود کہ بدگمانی سے بڑھ کر کوئی (بری) بات نہیں قالہ سیدنا رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی افریقہ، صفحہ 57 تا 62، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

الجواب صحيح	و الله تعالى اعلم و علمه جل مجده أتم و أحكم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفي عنه الباري	كتبه: ابو حمزه محمد آصف مدنی عفی عنه
	5 جمادی الاولیٰ 1441ھ 1 جنوری 2020

دوران نماز رومال سے ناک صاف کرنا اور ماسک پہن کرنا نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ نماز کے دوران جیب سے رومال نکال کر چند بار ناک صاف کرنا کیسا ہے؟ کیا اس سے نماز ٹوٹ جائے گی؟ کیا مسجد کو آلودگی سے بچانے کیلئے دوران نماز منہ پر ماسک پہن سکتے ہیں؟ اور اگر اس شخص کو اس مسئلے کا علم نہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

سائل: محمد نعیم اللہ صدیقی، سرگودھا، پاکستان

الجواب

سائل کا یہ کہنا کہ "جیب سے چند بار رمال نکال کر ناک صاف کرنا" اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نمازی نے رمال جیب سے نکال کر ناک صاف کیا اور دوبارہ جیب میں ڈال لیا اور یہی عمل چند بار دوہرایا اس سے دور سے دیکھنے والے شخص کو غالب گمان یہی ہوگا کہ یہ نماز میں نہیں بلکہ ابھی نماز کی تیاری کر رہا ہے تو یہ عملِ کثیر ہے اور عمل کثیر اگرچہ ایک ہی بار ہو بالاتفاق نماز توڑ دیتا ہے لہذا صورت مسئولہ میں نماز ٹوٹ گئی۔ اور مسجد کو آلودگی سے بچانے کیلئے نیچے کپڑا بچھا کر نماز ادا کرلی جائے، یا چادر وغیرہ گھما کر اس طرح اوڑھ لے کہ جس سے منہ یا ناک نہ چھپے تاکہ بوقت ضرورت عملِ قلیل کے ذریعے اس سے ناک وغیرہ صاف کرلے۔ دوران نماز منہ پر ماسک نہیں پہن سکتے کہ منہ اور ناک یا ان دونوں میں سے کسی کو چھپا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی و گناہ ہے۔ اور احکام شرعیہ میں نہ جاننے کا عذر ہرگز قابل قبول نہیں کہ ہر مسلمان پر ان مسائل کا سیکھنا لازم ہے۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عمل کثیر کسے کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ نمازی کا دوران نماز ایسا عمل کرنا جسے دور سے دیکھنے والا شخص یہ سمجھے کہ یہ نماز میں نہیں ہے اور وہ عمل نہ نماز کے افعال سے ہو اور نہ ہی نماز کی اصلاح کیلئے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 1088ھ) فقہ حنفی کی مشہور و معتمد کتاب درمختار میں فرماتے ہیں:

"(و) يفسدها (كل عمل كثير) ليس من اعمالها ولا لاصلاحها، وفيه اقوال خمسة، اصحها (مالا يشك) بسببه (الناظر) من بعيد (في فاعله انه ليس فيها) وان شك انه فيها ام لا فقليل"

یعنی عملِ کثیر کہ نہ اعمالِ نماز سے ہو نہ نماز کی اصلاح کیلئے کیا گیا ہو، نماز فاسد کر دیتا ہے، عملِ قلیل مفسد نہیں۔ جس کام کے کرنے والے کو دور سے دیکھ کر اس کے نماز میں نہ ہونے کا شک نہ رہے بلکہ گمان غالب ہو کہ نماز میں نہیں تو وہ عملِ کثیر ہے اور اگر دور سے دیکھنے والے کو شبہ و شک ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں، تو عملِ قلیل ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، جلد 2، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا صفحہ 464،465 مطبوعہ، لاہور)

وقارِ ملت **مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی طرح کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

لہٰذا صورت مسئولہ میں جیب سے رمال نکالنا اور پھر جیب میں ڈالنا اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو ایسا عمل ہے کہ جسے دور سے دیکھنے والا اسے نمازی کا فعل قرار نہیں دے گا تو اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ اور احکام شرعیہ میں نہ جاننے کا عذر قابل قبول نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عبادات کی صحت کا خیال رکھے، ان کے مسائل سیکھے اور عبادت درست طریقہ پر کرے۔

(وقار الفتاوی، جلد، 2، کتاب الصلاۃ، صفحہ 72، بزم وقار الدین: کراچی)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"نماز میں ناک سے پانی بہا اس کو پونچھ لینا، زمین پر گرنے سے بہتر ہے اور اگر مسجد میں ہے تو ضرور ہے"۔

(بہار شریعت، کتاب الصلاۃ، مکروہات کا بیان، جلد 1، حصہ، 3، صفحہ 631، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

ابو داؤد شریف میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا:

"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نھی عن السدل فی الصلاۃ، وان یغطی الرجل فاہ"

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل سے منع فرمایا ہے، اور اس سے بھی کہ کوئی شخص منہ ڈھانپ کر نماز پڑھے۔

(ابو داؤد شریف، جلد 1، صفحہ 103،104، باب ماجاء فی السدل فی الصلاۃ، حدیث 643 مطبوعہ: لاہور)

کتاب الآثار لامام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

"قال الإمام محمد الشيباني عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم لا بأس بأن يغطي الرجل رأسه في الصلاة مالم يغط فاه ويكره أن يغطي فاه، قال محمد: وبه نأخذ ونكره أيضًا أن يغطي أنفه وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، قال أبو الوفا الأفغاني: أخرج الإمام أبو يوسف في آثاره عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنه كان يكره أن يغطي الرجل فاه وهو في الصلاة"

ترجمہ: امام حماد نے فرمایا کہ "نماز میں اپنے سر کو ڈھانپنے میں کچھ حرج نہیں البتہ منہ نہ چھپائے کہ منہ چھپانا مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں اور ہم ناک چھپانے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابو الوفاء افغانی نے فرمایا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آثار میں امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد اور انہوں نے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ مرد کا بحالت نماز اپنے منہ کو چھپانا مکروہ ہے۔

(کتاب الآثار مع حاشیۃ: جلد 1، صفحہ 416،415، باب القھقھۃ فی الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ط: المجلس العلمي، غجرات)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاوی شامی میں فرماتے ہیں:

"(والتلثم) وھو تغطیۃ الانف والفم فی الصلاۃ۔۔۔انھا تحریمیۃ"

ترجمہ: تلثم یعنی منہ اور ناک نماز میں چھپانا مکروہ تحریمی ہے۔

(ردالمحتار، جلد2، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، صفحہ 511، مطبوعہ، لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی نماز کے مکروہات تحریمہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یونہی ناک اور منہ کو چھپانا،، (بہار شریعت، جلد1، حصہ 3، مکروہات کا بیان، صفحہ 626، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح	واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم
أبو أطھر محمد أظھر العطاري المدني عفی عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	5 جمادی الاولیٰ 1441ھ 1 جنوری 2020

چادر میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ چادر کے اندر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا کیسا؟

سائل: محمد آصف چشتی (پاکستان)

الجواب

نماز کے دوران دونوں ہاتھ چادر کے اندر اس طرح کر لینا کہ رکوع و سجود اور دیگر ارکان کی ادائیگی کے وقت آسانی سے نکالے جا سکیں اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس طرح سختی کیساتھ جسم پر لپیٹ لینا کہ ہاتھ نکالنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہے جس وجہ سے خطرے یا ضرورت کے وقت نکالنے مشکل ہوں دورانِ نماز اور اس کے علاوہ بھی مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"انہ رای النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رفع یدیہ حین دخل فی الصلاۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدیہ الیمنیٰ علی الیسریٰ فلما اراد ان یرکع اخرج یدیہ من الثوب۔۔۔۔الخ"

ترجمہ: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز شروع کی تو تکبیر کہی، اور ہمام نے بیان کیا کہ ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا، پھر ہاتھ کپڑے میں ڈھک لئے، پھر دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا، پھر جب رکوع کرنا چاہا تو کپڑے سے ہاتھ نکالے"۔ (صحیح مسلم، جلد1، کتاب الصلوۃ، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ۔۔۔الخ، حدیث: 896، صفحہ 210،209، مطبوعہ لاہور)

حکیم الامت **مفتی احمد یار خان نعیمی** علیہ الرحمہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: "چونکہ سردی زیادہ تھی اس لئے ہاتھ (کپڑے میں) لپیٹ لئے۔ معلوم ہوا نماز میں ہاتھ کھولنا ضروری نہیں، چادر وغیرہ میں ہاتھ لپیٹ کر یا ڈھک کر بھی (نماز) جائز ہے۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد2، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، الفصل الاول، صفحہ 27، قادری پبلشرز، لاہور)

نورالایضاح مع مراقی الفلاح میں ہے:

"(و) یکرہ (الاندراج فیہ) ای الثوب (بحیث لا) یدع منفذاً (یخرج یدیہ) منہ وھی الاشتمالۃ الصماء"

یعنی کپڑے میں اس طرح داخل ہونا کہ ہاتھ نکالنے کی جگہ نہ چھوڑے مکروہ ہے اور یہی اشتمالۃ الصماء ہے۔

(نور الایضاح مع مراقی الفلاح، فصل فی مکروہات الصلاۃ، صفحہ 180، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فتاوی شامی میں فرماتے ہیں:

"(یکرہ اشتمال الصماء) لنهيه عليه الصلوة و السلام عنها و هي ان ياخذ بثوبه فيخلل به جسده كله من راسه الى قدمه و لا يرفع جانبا يخرج منه سمي به لعدم منفذ يخرج منه يده كالصخرة الصماء۔۔۔۔۔ و ظاهر التعليل بالنهي ان الكراهة تحريمية كمامر في نظائره"

یعنی اشتمالِ صماء مکروہ ہے کہ نبی کریم صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اشتمالِ صماء یہ ہے کہ ایک کپڑے کیساتھ سر سے پاؤں تک اپنے پورے جسم کو اس طرح لپیٹ لینا کہ ہاتھ باہر نکالنے کی کوئی جگہ نہ چھوڑے اور اس کو اشتمال صماء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہاتھ باہر نکالنے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔۔۔۔ نہی کیساتھ علت کو ذکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔

(رد المحتار، جلد 2، کتاب الصلاۃ، مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، صفحہ 511، مطبوعہ، لاہور)

اور بہار شریعت میں فرمایا:

"کپڑے میں اس طرح لپٹ کر نماز پڑھنا کہ ہاتھ باہر نہ ہوں مکروہ تحریمی ہے"

ان تمام عبارات سے مراد اس طرح کپڑے میں لپٹ جانا ہے کہ بوقت ضرورت ہاتھ نکالنا مشکل ہوں۔ یہ نماز اور علاوہ نماز دونوں صورتوں میں منع ہے جیسا کہ اس سے متصل ہی صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"علاوہ نماز کے بھی بے ضرورت اس طرح لپٹنا نہ چاہئے اور خطرہ کی جگہ سخت ممنوع ہے"۔

(بہار شریعت، جلد 1، حصہ 3، مکروہات کا بیان، صفحہ 626، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

صحیح یہ ہے کہ اس طرح لپٹ جانا بھی مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی کی متذکرہ بالا عبارت کے تحت

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"**اقول: الظاهر ان النهي ارشادي حذرا عن عدو من انسان او حيوان فلا يفيد التحريم**،،

ترجمہ: اقول (میں کہتا ہوں) انسان، حیوان یا دشمنوں سے بچانے کیلئے نہی ارشادی ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہونے کا فائدہ نہ دے گی۔

(جد الممتار علی رد المحتار، جلد 3، مکروہات الصلاۃ، صفحہ 418، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

الجواب صحيح	**و الله تعالى اعلم و علمه جل مجده أتم و أحكم**
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري	**كتبه: ابو حمزه محمد آصف مدنى عفى عنه**
	12 جمادی الاولیٰ 1441ھ 8 جنوری 2020

عورتوں کا مزارات پر جانا کیسا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ عورتوں کا مزارات پر جانا کیسا؟ کیا عورت، عورت کے مزار پر جا سکتی ہے؟

سائل: محمد ذیشان (لاہور، پاکستان)

الجواب

ہر طرف فتنوں کا دور دورہ ہے اور عورتوں کی عزت کہیں بھی محفوظ نظر نہیں آتی اگرچہ عورت خود نیک وپارسا اور باپردہ ہی کیوں نہ ہو لیکن فساق وفجار وبد کردار لوگ عورتوں کی عزت وناموس پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے ہر دم تیار نظر آتے ہیں اور عورتوں میں بھی طرح طرح کی خرافات نے جنم لیا جیسے بے پردگی وبے حیائی اور مردوں کیساتھ اختلاط وغیرہ، اسی وجہ سے زمانہ صحابہ وتابعین سے ہی عورتوں کو مساجد کی حاضری سے منع کر دیا گیا لہذا انہی وجوہات کے پیش نظر علماء امت نے انہیں مزارات اولیاء کی حاضری سے بھی منع فرمایا خواہ وہ مزار کسی برگزیدہ خاتون کا ہو۔ البتہ مزار اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دینا بالکل جائز بلکہ قریب بہ واجب ہے لہذا عورتوں کو اس بارگاہ اقدس میں حاضری سے منع نہیں کیا جائے گا بلکہ یہاں کے آداب کی تعلیم دی جائے گی یا اگر قبر گھر میں ہی ہو یا دوران سفر راستے میں آجائے تو زیارت کرنے میں حرج نہیں جبکہ آہ وبکاء اور غیر شرعی امور سے بچ کر ہو ورنہ حرام وگناہ۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

صحیح بخاری و صحیح مسلم وسنن ابی داؤد میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد اپنے زمانہ میں تھا:

"لو ادرک رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماحدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل"

یعنی اگر نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انہیں مسجد سے منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔ (صحیح مسلم، جلد 1، باب خروج النساء الی المساجد، صفحہ 223، مطبوعہ لاہور)

اس حدیث مبارکہ کے تحت امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ماحدث النساء لمنعھن المسجد یعنی من الزینۃ والطیب وحسن الثیاب ونحوھا"

ترجمہ: جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کر لی ہیں تو ضرور انہیں مسجد سے منع فرما دیتے یعنی زیب وزینت، خوشبوئیں لگانا اور اچھے اچھے کپڑے پہننا وغیرہ۔ (حاشیہ صحیح مسلم، جلد 1، باب خروج النساء الی المساجد، صفحہ 223، مطبوعہ لاہور)

عنایہ امام اکمل الدین بابرتی میں ہے:

"قد نھی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ النساء عن الخروج الی المساجد فشکون الی عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فقالت لو علم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماعلم عمر ما اذن لکن فی الخروج"

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیا، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئیں، انہوں نے فرمایا: اگر نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دیکھتے جو حضرت عمر نے دیکھا تو وہ بھی تمہیں مسجد جانے کی اجازت نہ دیتے۔" (عنایہ علی ھامش فتح القدیر، جلد 1، صفحہ 317 باب الامامۃ، مطبوعہ سکھر)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

و کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما یقوم یحصب النساء یوم الجمعۃ یخرجھن من المسجد"

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری، باب خروج النساء الی المساجد، جلد6، صفحہ 157، بیروت)

جب ان خیر کے زمانوں اُن عظیم فیوض وبرکات کے وقتوں میں عورتیں منع کر دی گئیں، اور کاہے سے؟ حضورِ مساجد و شرکتِ جماعت سے، حالانکہ دین متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے۔ تو کیا ان ازمنہ شرور میں ان قلیل یا موہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کو اجازت دی جائے گی، وہ بھی کاہے کی؟ زیارت قبور کو جانے کی، جو شرعاً مؤکد نہیں۔ اور خصوصاً ان میلوں ٹھیلوں میں جو خدا ناترسوں نے مزارات کرام پر نکال رکھے ہیں، یہ کس قدر شریعت مطہرہ سے منافقت ہے۔۔۔ بالخصوص اب کہ قطعاً فساد غالب اور صلاح نادر ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد، صفحہ 548، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"لاینبغی للنساء ان یخرجهن فی الجنازة لان النبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیه وسلم نهاهن عن ذلک وقال انصرفن مازورات غیر ماجورات"

یعنی عورتوں کو جنازہ میں نہ جانا چاہئے اس لئے کہ نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کیلئے اس سے ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر جائیں تو ثواب سے خالی گناہ سے بھاری ہو کر پلٹیں۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اتباع جنازہ کہ فرض کفایہ ہے جب اس کیلئے ان کا خروج ناجائز ہوا تو زیارت قبور کہ صرف مستحب ہے اس کیلئے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(فتاوی رضویہ، جلد9، کتاب الجنائز، صفحہ 563، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

امام ابو عمر سے ہے:

"ولقد کره اکثر العلماء خروجهن الی الصلوات فکیف الی المقابر، وماظن سقوط فرض الجمعة علیهن الادلیلاً علی امساکهن عن الخروج فیماعداها"

یعنی اکثر علماء نے نمازوں کیلئے عورتوں کا جانا مکروہ رکھا ہے تو قبرستانوں میں جانے کا حکم کیا ہوگا؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان سے فرض جمعہ ساقط ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں ان کے ماسوا سے بھی روکا جائے گا"۔

ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں ہے:

"ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علیٰ ماجرت به عادتهن فلایجوز وعلیه حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور"

یعنی اگر یہ زیارت غم تازہ کرنے یا رونے چلانے کیلئے ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے تو ناجائز ہے اور اسی پر یہ حدیث محمول ہے "خدا کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔ (ردالمحتار، جلد1، مطلب فی زیارۃ القبور، صفحہ 604، مطبوعہ لاہور)

غنیہ نے امام شعبی سے جو نقل کیا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"سئل القاضی عن جواز خروج النساء الی المقابر قال لایسئل عن الجواز والفساد فی مثل هذا وانمایسئل عن مقدار مایلحقها من اللعن فیها واعلم انها کلماقصدت الخروج کانت لعنة اللہ وملائکته واذاخرجت تحفها الشیطین من کل جانب واذا اتت القبور یلعنها روح المیت واذا رجعت کانت فی لعنة اللہ"

ترجمہ: امام قاضی سے استفتاء ہوا کہ عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: ایسی جگہ جواز و عدم جواز نہیں پوچھتے، یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے، جب گھر سے قبرستان کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے، اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھر سے باہر نکلتی ہے ہر طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں، جب قبر تک پہنچتی ہے میت کی روح اس پر لعنت بھیجتی ہے، جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔ (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الجنائز، صفحہ 594، مطبوعہ لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

اقول: قبور اقرباء پر خصوصاً بحالِ قرب عہدِ ممات تجدید حزن لازمِ نساء ہے اور مزارات اولیاء پر حاضری میں احدی الشناعتین کا اندیشہ یا ترکِ ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے۔ ولہذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا البتہ حاضری و خاکبوسی آستان عرشِ نشانِ سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قریب واجبات ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے۔

(فتاوی رضویہ، جلد، صفحہ 538، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں:

" مزارات اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا باتباع غنیہ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہرگز پسند نہیں کرتا، خصوصاً اس طوفانِ بے تمیزی رقص و مزامیر و سرور میں جو آج کل جہال نے اعراس طیبہ میں برپا کر رکھا ہے اس کی شرکت تو میں عوام رِجال کو بھی پسند نہیں رکھتا نہ کہ وہ جن کو انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حُدی خوانی بالحان خوش پر عورتوں کے سامنے ممانعت فرما کر انہیں نازک شیشیاں فرمایا"

(فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 542، 541، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

پھر اس شُبہ کہ "عورتوں کا مزارات پر حاضری کا مقصد فیض کا حصول ہے تو کیونکر منع ہو سکتا ہے؟" کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: در مختار میں ہے:

"یکرہ حضورھن الجماعۃ و الجمعۃ و عیدو وعظ مطلقاً ولو عجوز الیلاً علیٰ المذھب المفتی بہ لفساد الزمان"

ترجمہ: جماعت میں عورتوں کی حاضری اگرچہ جمعہ، عید اور وعظ کیلئے ہو مطلقاً مکروہ ہے، اگرچہ بوڑھی عورت رات کو جائے، یہی وہ مذہب ہے جس پر فسادِ زمانہ کے باعث فتوٰی ہے"

اسی طرح اور کتب معتمدہ میں ہے۔ آئمہ دین نے جماعت جمعہ و عیدین در کنار وعظ کی حاضری سے بھی مطلقاً منع فرما دیا اگرچہ بڑھیا ہو، اگرچہ رات ہو، وعظ سے مقصود تو صرف اخذ فیض و سماع امر بالمعروف و نہی عن المنکر و تصحیح عقائد و اعمال ہے کہ توجہ مشیخت سے ہزار درجہ اہم و اعظم اور اس کی اصل مقدم، اس کا فیض بے توجہ مشیخت بھی عظیم مفید و دافع ہر ضرر شدید ہے، اور یہ نہ ہو تو توجہ مشیخت کچھ مفید نہیں بلکہ ضرر سے قریب نفع سے بعید ہے۔ (ان عظیم الشان امور سے یقیناً فیض کا حصول ہے جب ان سے منع کر دیا گیا تو زیارت قبور سے ممانعت کیونکر نہ ہو گی؟) (فتاوی رضویہ، جلد، صفحہ 548، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ہاں اگر قبر گھر میں ہو یا دوران سفر راستے میں آجائے تو بغیر آہ و بکاء اور غیر شرعی امور سے بچتے ہوئے زیارت کر سکتی ہے۔ چنانچہ

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"تو اگر قبر گھر میں ہو یا عورت مثلاً حج یا سفر جائز کا گئی راہ میں کوئی قبر ملی اس کی زیارت کر لی بشرطیکہ جزع وفزع و تجدید حزن وبکاء ونوحہ وافراط و تفریطِ ادب وغیرہا منکرات شرعیہ سے خالی ہو (تو جائز ہے)"۔ (فتاوی رضویہ، جلد9، کتاب الجنائز، صفحہ 562، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جزع وفزع ہے اور صالحین کی قبور پر یا تعظیم میں حد سے گزر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں"۔

(بہار شریعت، جلد1، حصہ 4، زیارت قبور کا بیان، صفحہ 849، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم و أحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

15 جمادی الاولی 1441ھ 11 جنوری 2020

ہیٹر کے سامنے نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ہیٹر کے سامنے نماز پڑھنا کیسا؟

زید کا کہنا ہے کہ ہیٹر سامنے ہونے کی صورت میں نماز نہیں ہوتی کہ مجوسی آگ کی عبادت کرتے ہیں، جبکہ بکر کہتا ہے کہ نمازی سامنے کیسی ہی آگ ہو نماز بغیر کسی کراہت کے ہو جاتی ہے اور بطور دلیل بخاری شریف کی روایت پیش کرتا ہے کہ حضور کے سامنے بحالت نماز جہنم پیش کی گئی، اگر آگ سامنے ہونے کی صورت میں نماز نہ ہوتی یا اس میں کسی قسم کی کراہت ہوتی تو حضور کے سامنے جہنم بحالت نماز کیوں پیش کی جاتی؟ جواب مدلل و مفصل عطا فرمائیں۔ بینوا و توجروا

سائل: عبد اللہ (پاکستان)

الجواب

ہیٹر کو حرارت حاصل کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے اس کی عبادت مقصود نہیں ہوتی اس لئے ہیٹر سامنے ہونے کی صورت میں نماز ادا کرنا جائز ہے اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے چراغ، لالٹین یا شمع کے سامنے نماز پڑھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ان سے روشنی کا حصول مقصود ہوتا ہے نہ کہ عبادت کرنا تاہم اگر اسکو ایک طرف اس طرح رکھ دیا جائے کہ اس کی جانب سجدہ نہ ہو تو یہ بہتر ہے، البتہ بھڑکتی آگ اور دہکتے انگاروں والے چولہے یا تنور کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

لہذا زید کا یہ کہنا غلط ہے کہ "ہیٹر سامنے ہونے کی صورت میں نماز نہیں ہوتی" کیونکہ اس میں مجوسیوں سے مشابہت نہیں کہ وہ بھڑکتی آگ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ ہیٹر میں بھڑکتی آگ نہیں ہوتی اور اگر بھڑکتی آگ سامنے ہو تو یہ بھی زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی گناہ نہیں اور نماز بھی ہو جائے گی لیکن مکروہ تنزیہی سے بھی بچنا چاہئے۔

اور بکر کا بخاری شریف کی حدیث سے استدلال کر کے کسی بھی طرح کی آگ سامنے ہونے کی صورت میں بلا کراہت نماز کو جائز ماننا بھی ہرگز درست نہیں کہ بخاری شریف کی حدیث مبارکہ میں جہنم کی آگ دکھائی گئی جو کہ دیگر افراد کو نظر نہ آئی بلکہ فقط حضور سید عالم صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھی کیونکہ وہ آگ حسی نہیں تھی اور نہ ہی اس کی عبادت کی جاتی ہے جبکہ مجوسی جو آگ جلاتے ہیں وہ حسی، سب

کو نظر آتی اور عبادت کے لئے جلائی جاتی ہے لہذا عالمِ غیب کے احوال پر عالمِ شہادت کے معاملات کو قیاس کرنا درست نہیں۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

فتاوی قاضی خان میں ہے:

"ویکرہ ان یصلی وبین یدیہ تنور او کانون فیہ نار موقودۃ لانہ یشبہ عبادۃ النار وان کان بین یدیہ سراج او قندیل لایکرہ لانہ لایشبہ عبادۃ النار"

یعنی تنور یا ایسا چولہا، جس میں بھڑکتی آگ ہو، تو اس کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ آگ کی عبادت کے مشابہ ہے اور اگر نمازی کے سامنے چراغ یا لالٹین ہو تو اس میں کراہت نہیں، کیونکہ یہ آگ کی عبادت کے مشابہ نہیں۔

(فتاوی قاضی خان، کتاب الصلاۃ، باب الحدث فی الصلاۃ وما یکرہ فیھا ومالا یکرہ، جلد 1، صفحہ 119، مطبوعہ: کوئٹہ)

فتاوی عالمگیری میں ہے:"

ومن توجہ فی صلاتہ إلی تنور فیہ نار تتوقد او کانون فیہ نار یکرہ, ولو توجہ الی قندیل والی سراج لم یکرہ ھکذا فی محیط السرخسی، وھو الاصح"

جو شخص تنور یا چولہا جس میں آگ جل رہی ہو اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو مکروہ ہے اور اگر لالٹین یا چراغ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو مکروہ نہیں۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 1 صفحہ 108 کتاب الصلاۃ، الباب السادس فی الحدث فی الصلاۃ، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ ومالا یکرہ: کوئٹہ)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"شمع یا چراغ یا قندیل یا لیمپ یا لالٹین یا فانوس نماز میں سامنے ہو تو کراہت نہیں، کہ ان کی عبادت نہیں ہوتی اور بھڑکتی آگ اور دہکتے انگاروں کا تنور یا بھٹی یا چولہا یا انگیٹھی سامنے ہوں تو مکروہ کہ مجوس ان کو پوجتے ہیں"۔

(فتاوی رضویہ، جلد 24، صفحہ 619، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی بہار شریعت، نماز کے مکروہات تنزیہیہ میں عالمگیری کی مذکورہ بالا عبارت (**ومن توجہ فی صلاتہ الی تنور۔۔۔۔الخ**) خلاصۃً بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جلتی آگ نمازی کے آگے ہونا باعث کراہت ہے، شمع یا چراغ میں کراہت نہیں"

(بہار شریعت، جلد 1، حصہ 3، مکروہات کا بیان، صفحہ 636، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بکر نے بخاری شریف کی جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ احادیث مع شرح ملاحظہ فرمائیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرضت علی النار وانا اصلی"

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میرے سامنے جہنم لائی گئی۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

"قال انخسف الشمس فصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم قال اریت النار فلم ار منظرا کالیوم قط افظع"

ترجمہ: سورج گہن لگا تو رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا مجھے جہنم دکھائی گئی اتنا خوفناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری، جلد1، صفحہ128، 127، باب من صلی وقدامہ تنوراونار اوشئ۔۔۔حدیث52، 51، مطبوعہ: لاہور)

ان دونوں احادیث مبارکہ کی شرح میں فقیہ اعظم ہند شارح بخاری **مفتی محمد شریف الحق امجدی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اگر نمازی کے آگے معبودان باطلہ میں سے کچھ ہو تو نماز مکروہ ہے اگرچہ نیت خالص اللہ عزوجل کی (عبادت کی) ہو۔ بلکہ اگر معاذاللہ صد بار معاذاللہ معبود باطل کی نیت ہو تو نماز کی صحت تو الگ رہی سرے سے ایمان ہی رخصت۔ اوراس کراہت کی وجہ مشرکین کیساتھ مشابہت اور عوام کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔

مزید ان احادیث کو دلیل بنا کر ہر طرح کی آگ کے سامنے نماز پڑھنے کو بلا کراہت جائز سمجھنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس حدیث سے۔۔۔ استدلال تام نہیں اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو جہنم کا پیش کیا جانا خرقِ عادت کے طور پر عالمِ غیب کی بات تھی، صحابہ کرام نے کہاں دیکھا۔ عالمِ غیب کے جو احوال بطور خرق عادت ظاہر ہوں ان پر عالم شہادت کے احوال کا قیاس صحیح نہیں۔ مثلاً اسی واقعے میں لے لیجئے، نمازی کے آگے ایسی چیز ہونے سے نماز مکروہ ہوتی ہے جس سے دل بٹے یہ خود ان کو بھی تسلیم ہے۔ اور یہاں جنت اور دوزخ کے سامنے آنے سے حضور کا دل بٹا، ایک روایت میں ہے کہ حضور آگے بڑھے کہ جنت سے ایک خوشہ لے لوں پھر پیچھے ہٹے، نیز جنت میں جنتیوں کو اور جہنم میں جہنمیوں کو دیکھا، جہنم کی خوفناکی سے متاثر بھی ہوئے۔ اس کا بھی امکان قوی ہے کہ جنتیوں میں سے اور جہنمیوں میں سے کسی کا منہ حضور اقدس صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رہا ہو۔ حالانکہ نمازی کا کسی مرد یا عورت کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے۔ تو کیا ان عالمِ غیب کے احوال پر قیاس کرکے یہ حکم دینا درست ہوگا کہ نمازی کے آگے کچھ بھی ہو اس سے اس کا کتنا ہی دل بٹے، لوگ نمازی کی طرف منہ کئے ہوں نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی؟

کچھ آگے فرماتے ہیں:

"جہنم کی آگ کسی کی معبود نہیں آتش پرست اپنی بھڑکائی ہوئی آگ کو پوجتے ہیں، جہنم کی آگ کو نہیں، جہنم ما یعبد میں داخل ہی نہیں۔" (نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد2 صفحہ149 تا151، فرید بک سٹال: لاہور)

واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

19 جمادی الاولیٰ 1441ھ 15 جنوری 2020

الجواب صحیح

أبو أطھر محمد أظھر العطاري المدني عفی عنہ الباري

نماز جنازہ کی تکرار کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میت کا بھائی یا بھتیجا جنازہ پڑھ لے تو کیا میت کا بیٹا یا باپ دوبارہ جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: عبد الرحمن (پاکستان)

الجواب

جنازہ پڑھانے کاسب سے زیادہ حق دار بادشاہِ اسلام، پھر حاکم شہر، پھر قاضی، پھر جمعہ کا امام، پھر محلے کی مسجد کا امام، پھر ولی ہے۔موجودہ دور میں سلطنت اسلامیہ نہ ہونے کی وجہ سے بادشاہ اسلام، حاکم شہر اور قاضی نہیں ہیں لہذا یہ حق امام جمعہ اورامام محلہ کی طرف لوٹے گا جبکہ میت اپنی زندگی میں ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہو کہ جب میت نے زندگی میں ان کو اپنا امام ہونا پسند کیا تو بعد وفات بھی یہ امامت کے زیادہ حق دار ہیں، اوراگر میت زندگی میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو پسند نہیں کرتا تھا تو ان کو حقِ تقدم حاصل نہ ہو گا، اور مسجدِ محلہ کے امام کا ولی پر مقدم ہونا اس وقت مستحب ہے جبکہ وہ ولی سے افضل ہو ورنہ ولی کا مقدم ہونا بہتر ہے۔

لیکن یادرہے! اگر جمعہ یا محلے کا امام ولی سے افضل ہو اوراس نے نماز پڑھادی یا ولی سے افضل نہ ہونے کے باوجود نماز پڑھائی اور ولی نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو اب ولی سمیت کسی کو بھی جنازہ لوٹانے کا اختیار نہیں کہ نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں اور اگر امام مرتبہ میں ولی سے کم ہو یا میت زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناپسند کرتا تھا اوراس نے بے اجازتِ ولی نماز پڑھادی تو ولی کو نماز لوٹانے کا اختیار ہے اگرچہ قبر پر ہی کیوں نہ ہو۔

میت کا وَلی اَقرَب (سب سے قریبی رشتہ دار) باپ ہے، وہ نہ ہو تو بالغ بیٹا، وہ نہ ہو تو بھائی اور وہ بھی نہ ہو تو بھتیجا۔ اورامام کے بعد نماز جنازہ کا سب سے زیادہ حق دار ولی اقرب ہے اگر وہ موجود نہیں یا اتنا دور ہے کہ اس کا انتظار کرنے سے حرج ہو گا تو اس کے بعد جو سب سے قریبی رشتہ دار ہے وہ حق دار ہو گا اسی طرح بالترتیب حق حاصل ہو تا جائے گا۔

صورت مسئولہ میں اگر ایسے امامِ محلہ نے جو ولی سے افضل ہے یا میت زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا اس نے نماز پڑھادی خواہ ولی کی اجازت سے یا بغیر اجازت اور میت کا ولی اقرب موجود ہو یا نہ ہو یا ولی نے خود امامِ محلہ کی اقتدا میں نماز پڑھ لی تو ان تمام صورتوں میں ولی سمیت کسی کو بھی جنازہ دوبارہ پڑھنے کی اجازت نہیں کہ نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں۔

اوراگر امامِ محلہ نے نماز نہ پڑھائی بلکہ اولیاء میت میں سے ہی کسی نے پڑھائی اور میت کا ولی اقرب (اس سے زیادہ قریبی رشتہ دار)موجود تھا اوراس قریبی سے اجازت بھی نہ لی گئی اور نہ ہی اس نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تو اس ولی اقرب اور جن لوگوں نے پہلے نماز نہیں پڑھی ان کو دوبارہ نماز پڑھنے کا اختیار ہے، اگر دفن کر دیا تو قبر پر پڑھ سکتے ہیں۔اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

درمختار میں ہے:

"یقدم فی الصلاۃ علیہ السلطان او امیر المصر ثم القاضی ثم امام الحی ثم ولی فان صلی غیر الولی من لیس لہ حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ الولی اعاد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض ولذاقلنالیس لمن صلی علیھاان یعیدمع الولی لان تکرارھا غیر مشروع وان صلی من لہ حق التقدم کقاض اونائبہ او امام الحی اومن لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لایعید۔"

ترجمہ: ولی پر نماز پڑھنے میں مقدم بادشاہ اسلام یا والی شہر ہے پھر قاضی پھر امام محلہ پھر ولی۔اگر ولی کے علاوہ ایسے شخص نے جسے ولی پر تقدم کا حق حاصل نہیں، نماز جنازہ پڑھ لی اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی اگر چاہے تو دوبارہ پڑھ سکتا ہے خواہ قبر پر ہی پڑھے، اسے یہ اختیار اپنے حق کے سبب ہے، اس لئے نہیں کہ فرض جنازہ ادانہ ہوا تھا، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پہلے جو پڑھ چکے تھے وہ ولی کیساتھ

ہو کر دوبارہ نہیں پڑھ سکتے، اس لئے کہ جنازہ کی تکرار جائز نہیں، اور اگر پہلے ایسے شخص نے پڑھی جسے ولی پر تقدم کا حق حاصل ہے جیسے قاضی یا نائب قاضی یا امام محلہ یا ایسے شخص نے پڑھی جسے حق تقدم حاصل نہیں مگر ولی نے اس کی متابعت کرلی تھی تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا۔ (در مختار، باب صلوۃ الجنائز، جلد 3، صفحہ 139 تا 141، مطبوعہ: لاہور)

در مختار میں ہے:

"وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی، والافالولی اولی کمافی المجتبی"

ترجمہ: امام محلہ کی تقدیم مستحب ہے بشرطیکہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر ہے، جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

(در مختار، کتاب الجنائز، جلد 3، صفحہ 141، مطبوعہ: لاہور)

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں امام محلہ کی وجہِ تقدیم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واما امام الحی فتقدیمہ مستحب لانہ رضی بہ اماما حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعدوفاتہ ولوعلم انہ غیرراض بہ حال حیاتہ ینبغی ان لایستحب تقدیمہ وفی فتاوی قاضی خان۔۔۔وحضر الاولیاء وامام الحی ینبغی للاولیاء ان یقدموا امام الحی"

ترجمہ: امام الحی یعنی محلے کے امام کا ولی پر مقدم ہونا مستحب ہے کیونکہ میت اس کی امامت پر اپنی زندگی میں راضی تھا تو اس کی وفات کے بعد بھی اس کا مقدم ہونا مناسب ہے، اور اگر معلوم ہو کہ زندگی میں اس کی امامت پر میت راضی نہ تھی تو اس کا ولی پر مقدم ہونا مستحب نہیں۔ ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے۔۔۔ اور اگر اولیاء میت اور امام الحی (محلے کا امام) دونوں بوقتِ جنازہ حاضر ہوں تو اولیاء میت کا امامِ محلہ کو مقدم کرنا مناسب ہے۔ (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، کتاب الجنائز، صفحہ 185)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"نماز جنازہ میں امامت کا حق بادشاہ اسلام کو ہے، پھر قاضی، پھر امام جمعہ، پھر امام محلہ، پھر ولی کو، امام محلہ کا ولی پر تقدم بطور استحباب ہے اور یہ بھی اس وقت کہ ولی سے افضل ہو ورنہ ولی بہتر ہے۔"

(بہار شریعت، کتاب الجنائز، نماز جنازہ کون پڑھائے، جلد 1، حصہ 4، صفحہ 836، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"جامع مسجد کا امام، اگر میت جمعہ وغیرہ اس کے پیچھے نہ پڑھتا ہو یا وہ علم و فضل میں میت سے زائد نہ ہو اسی طرح امام الحی یعنی مسجد محلہ کا امام (تو ولی کی اجازت کے بغیر ہرگز جنازہ نہیں پڑھاسکتے) ہاں! اگر میت ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا اور یہ فضلِ دینی میں ولی سے زائد ہیں تو بے اذنِ ولی پڑھاسکتے ہیں۔۔۔ دونوں امام (جامع مسجد کا امام اور محلے کی مسجد کا امام) اور یہ والیان عام اگر نماز پڑھادیں تو ولی کو حق اعادہ نہیں۔ باقی سب محتاجِ اذنِ ولی ہیں، اگر بے اذن پڑھائیں گے حق غیر میں دست اندازی کے مرتکب ہونگے مگر فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ ولی نے اگر ان کی اقتداء کرلی فبہا کہ اذن ابتداء میں نہ تھا تو اب ہو گیا اور اگر اقتداء نہ کی تو اسے جائز ہے کہ دوبارہ پڑھے، اور جو پہلی جماعت میں شریک نہ ہو لئے تھے انہیں اس جماعت ولی میں شرکت کی اجازت ہے۔"

(فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، امام جنازہ کا بیان، جلد 9، صفحہ 175، 174، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"بادشاہ اسلام یا قاضی شرع یا امام حی (امام محلہ) نے نماز پڑھادی تو ولی کو اعادہ کا اختیار نہیں کہ وہ اس بات میں ولی سے مقدم ہیں۔"

(فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، امام جنازہ کا بیان، جلد 9، صفحہ 183، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمۃ القوی فرماتے ہیں:

"ولی کے سوا کسی ایسے نے نماز پڑھائی جو ولی پر مقدم نہ ہو اور ولی نے اسے اجازت بھی نہ دی تھی تو اگر ولی نماز میں شریک نہ ہو تو نماز کا اعادہ کر سکتا ہے اور اگر مردہ دفن ہو گیا ہے تو قبر پر نماز پڑھ سکتا ہے اور اگر وہ ولی پر مقدم ہے جیسے بادشاہ و قاضی و امامِ محلہ کہ ولی سے افضل ہو تو اب ولی نماز کا اعادہ نہیں کر سکتا"

(بہار شریعت، کتاب الجنائز، باب: جنازہ کون پڑھائے؟ جلد 1، حصہ 4 صفحہ 838، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بہار شریعت میں ہے:

"قرابت کی وجہ سے ولایت عصبہ بنفسہ کیلئے ہے۔۔۔ اور یہاں بھی وہی ترتیب ملحوظ ہے جو وراثت میں معتبر ہے یعنی سب میں مقدم بیٹا، پھر پوتا، پھر پرپوتا اگرچہ کئی پشت کا فاصلہ ہو، یہ نہ ہوں تو باپ، پھر دادا، پھر پرداداوغیر ہم اصول اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو، پھر حقیقی بھائی، پھر سوتیلا بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا۔۔۔ خلاصہ یہ کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار جو مرد ہو، وہ ولی ہے اگر بیٹا نہ ہو تو جو حکم بیٹے کا ہے وہی پوتے کا ہے، وہ نہ ہو تو پرپوتے کا"

(بہار شریعت، کتاب النکاح، ولی کا بیان، جلد 1، حصہ 7، صفحہ 43، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بہار شریعت میں ہے:

"ولی کیلئے عاقل بالغ ہونا شرط ہے" (بہار شریعت، حوالہ مذکورہ)

در مختار مع ردالمحتار میں ہے:

"(ثم الولی) بترتیب عصوبۃ الانکاح، الا الاب فیقدم علیٰ الابن اتفاقاً الا ان یکون عالماو الاب جاھلافالابن اولی"

جنازے میں ترتیب ولایت وہی ہے جو نکاح میں ہے سوائے اس کے کہ نکاح میں بیٹا باپ پر مقدم ہوتا ہے جبکہ جنازے میں باپ بیٹے پر مقدم ہو گا، البتہ اگر بیٹا عالم اور باپ جاہل ہو تو بیٹے کا مقدم ہونا اولیٰ ہے۔

اس کے تحت شامی میں ہے:

(فیقدم علی الابن اتفاقا) وھو الاصح لان للاب فضیلۃ علیہ۔۔۔ (الا ان یکون الخ) قال فی البحر؛ ولو کان الاب جاھلا و الابن عالماینبغی ان یقدم الابن"

جنازے میں باپ، بیٹے پر بالاتفاق مقدم ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ باپ کو بیٹے پر فضیلت حاصل ہے۔۔۔ سوائے اس کے کہ بیٹا عالم ہو، بحر میں فرمایا: اگر باپ جاہل اور بیٹا عالم ہو تو بیٹا مقدم ہو گا۔

(در مختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب: تعظیم اولی الامر واجب، جلد 3، صفحہ 141، مطبوعہ: لاہور)

بہار شریعت میں ہے:

"(ولی اقرب کے موجود نہ ہونے یا) غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اتنی دور ہے کہ اس کے آنے کے انتظار میں حرج ہو"

(بہار شریعت، کتاب الجنائز، باب: جنازہ کون پڑھائے؟ جلد 1، حصہ 4 صفحہ 836، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وان صلی علیہ الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ"

اگر میت پر ولی نے نماز ادا کرلی تو اس کے بعد کسی کیلئے جنازہ پڑھنا جائز نہیں"

(فتاوی عالمگیری، کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوۃ علی المیت، جلد 1، صفحہ 164، مطبوعہ: کوئٹہ)

در مختار میں ہے:

"لیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع"

یعنی جو پہلے پڑھ چکا وہ ولی کے ساتھ بھی اعادہ کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کی تکرار غیر مشروع (ناجائز) ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، جلد 3، صفحہ 145، 144، مطبوعہ: لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"نمازِ جنازہ کی تکرار ہمارے آئمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے نزدیک تو مطلقاً ناجائز و نامشروع ہے، مگر جب کہ اجنبی غیر احق نے بلا اذن و بلا متابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کر سکتا ہے"۔ (فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 270، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

"بعدِ صلوٰۃِ ولی پھر اعادہ نمازِ جنازہ کا اختیار نہیں۔۔۔ مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے:

"ان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مشغولاً بتسویۃ الامور و تسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ و کان الحق لہ لانہ ھو الخلیفۃ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد بعدہ علیہ"۔

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں مشغول تھے لوگ ان کی آمد سے پہلے صلوٰۃ پڑھتے جاتے، اور (ولی اقرب ہونے کی وجہ سے) حق ان کا تھا کیونکہ وہ خلیفہ تھے، تو جب فارغ ہوئے نماز پڑھی، پھر ان کے بعد کسی نے نماز نہ پڑھی۔" (فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، تکرار نماز جنازہ، جلد 9، صفحہ 315، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

22 جمادی الاولی 1441ھ 18 جنوری 2020

"تم مجھ پر طلاق ہو" سے حکمِ طلاق

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ 19 اکتوبر 2019ء کو زید نے فون پر اپنی بیوی سے دو بار کہا "تم مجھ پہ طلاق ہو" اور تاحال منکوحہ سے ازدواجی رابطہ و تعلق نہیں ہے، کیا ان کا نکاح باقی ہے؟ (رخصتی ہو چکی ہے)

سائل:عبد اللہ (پاکستان)

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاقیں واقع ہو چکیں، اگر زید نے یہی دو طلاقیں دی ہیں اور اس سے پہلے یا بعد اور کوئی طلاق نہیں دی تو تین حیض آنے سے پہلے بغیر نکاح کے رجوع کر سکتا ہے اور تین حیض آنے کے بعد نئے مہر کیساتھ عورت کی مرضی سے نکاح کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر اس سے قبل ایک طلاق دی ہے تو یہ دو ملا کر تین ہو گئیں لہذا بغیر حلالہ نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر اس سے قبل طلاق نہیں دی تو زید کو صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے، زندگی میں جب کبھی وہ ایک طلاق دے گا، طلاقِ مغلظہ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ عورت سے نکاح جائز نہ ہو گا۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"نقل سیدی عبدالغنی عن ادب القاضی للسرخسی رجل قال لامراتہ۔۔طلاقک علی فالصحیح انہ یقع۔

(فتاوی شامی، کتاب الطلاق، باب الفاظ طلاق، جلد2، صفحہ 470، مطبوعہ:لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن الفاظ طلاق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نمبر 15: ***تجھ پر طلاق:*** **"فانہ من اصرح صریح فی زماننا و عرفنا فلا یرد ما فی البحر و ذلک مثل قول الدر علی الطلاق، یقع بلانیۃ للعرف قال الشامی و لاینافی ذلک ما یاتی من انہ لو قال طلاقک علی لم یقع، لان ذاک عند عدم غلبۃ العرف"**

ترجمہ: تو یہ صریح طلاق سے بھی زیادہ واضح طلاق ہے، ہمارے زمانہ اور عرف میں، لہذا بحر کا بیان یہاں اعتراض کے طور پر وارد نہ ہو گا اور جیسا کہ دُر کا قول کہ "مجھ پر طلاق ہے" کہا تو بغیر نیت بھی طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہ عرف میں طلاق ہے، تو اس پر علامہ شامی نے فرمایا: دُر کی یہ بات آئندہ آنے والی اس بات کے منافی نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "مجھ پر طلاق" کہنے پر طلاق نہ ہو گی، یہ اس لئے کہ یہ وہاں ہے جہاں یہ لفظ طلاق کیلئے عرفِ غالب نہ ہو۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الطلاق، جلد12، صفحہ 532، رضا فاؤنڈیشن:لاہور)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مابین (دورانِ) عدت کے رجعت کا اختیار ہے اور بعدِ انقضائے عدت (عدت پوری ہونے کے بعد) اگر چاہے اس سے نکاح جدید کر سکتا ہے" (فتاوی رضویہ، کتاب الطلاق، جلد12، صفحہ 368، رضا فاؤنڈیشن:لاہور)

"اگر پہلے کبھی ایک طلاق نہ دے چکا ہو ورنہ ایک وہ اور دو یہ مل کر تین ہو گئیں عورت نکاح سے نکل گئی حلالہ کی ضرورت ہو گی، اگر پہلے طلاق نہ دی تھی یہ دو دی ہیں تو آئندہ جب کبھی ایک طلاق دے گا عورت بے حلالہ کے نکاح میں نہ آ سکے گی"

(فتاوی رضویہ، صفحہ 367، حوالہ مذکورہ)

فقیہ ملت **مفتی محمد جلال الدین امجدی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بعد عدت عورت کی مرضی سے نئے مہر کیساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔۔۔اور اگر اس سے پہلے عورت کو اور طلاق دے چکا ہے یا موقع مذکور پر حققیت میں تین طلاق دی ہے مگر غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے صرف دو طلاق بتاتا ہے تو ان صورتوں میں حلالہ کے بغیر زید کا اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں" (فتاوی فیض الرسول، کتاب الطلاق، جلد2، صفحہ 198، شبیر برادرز: لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عورت کو طلاق دی، بائن یا رَجعی۔۔۔اور اسوقت حمل نہ ہو اور عورت کو حیض آتا ہو تو عدت پورے تین حیض ہے"

(بہار شریعت، کتاب الطلاق، عدت کا بیان، جلد2، حصہ 8، صفحہ 234، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

اور فرماتے ہیں: "جب تک تین حیض نہ آلیں یا سنِ ایاس کو نہ پہنچے اس کی عدت ختم نہیں ہو سکتی" (بہار شریعت، صفحہ 235، حوالہ مذکورہ)

الجواب صحیح | واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري | کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

24 جمادی الاولیٰ 1441ھ 20 جنوری 2020

سجدہ سہو سے قبل جان بوجھ کر سلام پھیرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کسی شخص نے سجدہ سہو کرنے سے قبل جان بوجھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز ایک طرف سلام پھیرنے پر کونسی حدیث دلیل ہے؟ سائل: مفتی محمد امجد رضوی صاحب

الجواب

سجدہ سہو کے بارے میں وارد شدہ احادیث میں سلام کا حکم مطلق ہونے کی وجہ سے علماء احناف میں اختلاف ہوا، بعض نے فرمایا کہ سجدہ سہو سے قبل سلام دونوں طرف پھیرا جائے گا، جبکہ جمہور علماءِ احناف کے نزدیک فقط ایک طرف ہی سلام پھیرنا کافی ہے جبکہ دوسری جانب سلام پھیرنے سے بچنا لازم و ضروری ہے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اس سے سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا اور نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ کیونکہ پہلا سلام دو چیزوں کیلئے ہوتا ہے:

تحلیل و تحیۃ (جو امور تکبیر تحریمہ یعنی نماز کی ابتدائی تکبیر سے حرام ہوگئے تھے ان کے حلال ہونے اور سیدھی جانب موجود نمازی، امام صاحب اور فرشتوں وغیرہ کو سلام کرنے) کیلئے ہوتا ہے، جبکہ دوسرا سلام فقط تحیۃ (الٹی جانب والے نمازیوں کو سلام کرنے) کیلئے ہوتا ہے۔ اور تحیۃ (سلام کرنا) مکرر (دونوں جانب کے نمازیوں کیلئے) ہوتی ہے نہ کہ تحلیل (تکبیر تحریمہ سے حرام شدہ امور کا حلال ہونا مکرر نہیں ہوتا بلکہ فقط پہلی طرف سلام پھیرنے سے ہی حرام شدہ امور حلال ہو جاتے ہیں) اور سجدہ سے قبل سلام تحلیل (حرام شدہ امور کے حلال ہونے) کیلئے ہے نہ کہ تحیۃ (سیدھی جانب کے نمازیوں کو سلام کرنے) کیلئے اور تحلیل فقط پہلے سلام سے ہی حاصل ہو چکی لہذا دوسری جانب سلام پھیرنا فضول عمل ہونے کی وجہ سے کلام کی طرح ہے لہذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

"اذا شک احدکم فی صلاتہ فلیتحر الصواب فلیتم علیہ ثم لیسلم ثم لیسجد سجدتین"

ترجمہ: جب تمہیں نماز میں شک ہو جائے تو جس پر دل جمے اسی کے مطابق پوری کرو، پھر سلام پھیر و پھر دو سجدے کر لو۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان، جلد 1، صفحہ 124، حدیث:401، مطبوعہ: لاہور)

سنن ابی داؤد میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لکل سھو سجدتان بعدما یسلم"

یعنی ہر سہو کے لئے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب: من نسی ان یتشھد وھو جالس، جلد 1، صفحہ 157، حدیث 1038، مطبوعہ: لاہور)

سنن ابی داؤد میں امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجھہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مفتاح الصلاۃ الطھور و تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم"

ترجمہ: نماز کی کنجی وضو ہے، اس کی تحریم اللہ اکبر کہنا اور اس کی تحلیل سلام ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، حدیث 618، مطبوعہ: لاہور)

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"واختار فخر الاسلام انه یسجد بعد تسلیمة الاولیٰ وذکر فی المحیط انه الاصوب لان الاول للتحلیل والثانی للتحیة وھذا السلام للتحلیل لا للتحیة فان ضم الثانی الی الاول عبثا و اختاره المصنف فی الکافی وقال ان علیه الجمھور و الیه اشار فی الاصل وھو الصواب فقد تعارض النقل عن الجمھور وھناک قولان آخران احدھما انه یسلم عن یمینه فقط وصححه فی المجتبی ثانیھما لو سلم التسلیمتین سقط عنه سجود السھو لانه بمنزلة الکلام حکاہ الشارح عن خواھر زادہ فقد اختلف التصحیح فیھا والذی ینبغی الاعتماد علیه تصحیح المجتبی انه یسلم عن یمینه فقط لان السلام عن الیمین معھود وبه یحصل التحلیل فلا حاجة الی غیره"

ترجمہ: فخر الاسلام نے ایک سلام کے بعد سجدہ کرنے کو اختیار فرمایا، محیط میں مذکور ہے کہ یہی اصوب (زیادہ درست) ہے، کیونکہ اول سلام تحلیل اور دوسرا تحیۃ کیلئے ہے اور یہ سلام تحلیل کیلئے ہے نہ کہ تحیۃ کیلئے، پس پہلے سے دوسرے کو ملا دینا عبث (فضول) ہے۔ اسی کو مصنف نے کافی میں اختیار کیا اور فرمایا کہ بیشک جمہور اسی پر ہیں، اور اس کی طرف کتاب الاصل میں اشارہ بھی فرمایا اور یہی صواب (درست) ہے پس جمہور سے نقل میں تعارض ہوا، یہاں دوسرے دو قول بھی ہیں، ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ صرف اپنی سیدھی جانب سلام پھیرے، اور مجتبیٰ میں اس کی تصحیح فرمائی گئی، دوسر قول یہ ہے کہ اگر کسی نے دونوں طرف سلام پھیرا تو اس سے سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ (دوسری طرف سلام پھیرنا) بمنزلہ کلام ہے، شارح نے اس کو خواہر زادہ سے حکایت کیا، پس تحقیق اس کی تصحیح میں اختلاف ہے، اور مجتبیٰ کی تصحیح پر اعتماد کرنا مناسب ہے کہ بیشک سلام فقط ایک طرف پھیرے کیونکہ سلام سیدھی جانب معھود ہے اور اس کے ساتھ تحلیل بھی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے علاوہ (دوسرے سلام) کی طرف کوئی حاجت نہیں۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب: سجود السہو، جلد 2، صفحہ 164، در الکتب العلمیہ: بیروت)

اور فتاوی شامی میں ہے:

"ان السلام الاول للشیئین: للتحلیل و للتحیة، و السلام الثانی للتحیة فقط ای تحیة بقیة القوم لان التحلیل لا یتکرر، و ھنا سقط معنی التحیة عن السلام لانہ یقطع الاحرام فان ضم الثانی الیہ عبثاً، و لو فعلہ فاعل لقطع الاحرام۔ قال فی الحلیة بعد عزوہ ذلک الی فخر الاسلام حتی انہ لا یاتی بعدہ بسجود السھو، و مشی علیہ فی الکافی و غیرہ اھ، و فی المعراج قال شیخ الاسلام: لو سلم تسلیمتین لا یاتی بسجود السھو بعد ذلک لانہ کلام اھ قلت و علیہ فیجب ترک التسلیمة الثانیہ۔"

ترجمہ: بیشک پہلا سلام دو چیزوں کیلئے ہے، تحلیل و تحیۃ اور دوسرا سلام فقط تحیۃ کیلئے ہے یعنی بقیہ قوم کی تحیۃ کیلئے، کیونکہ تحلیل متکرر نہیں ہوتی، اور سلام سے یہاں معنیٰ تحیۃ ساقط ہو گیا کیونکہ اس نے احرام کو قطع کر دیا، پس اگر دوسرے سلام کو ملا دیا تو عبث (فضول) ہے اور اگرچہ فاعل نے دوسرا اسلام قطع احرام کیلئے پھیرا۔ حلیہ میں اس کو فخر الاسلام کی طرف منسوب کرنے کے بعد فرمایا: یہاں تک کہ بیشک اس (دوسرے سلام) کے بعد سجدہ سہو ادا نہیں ہو گا، اور کافی وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے، اور معراج میں ہے کہ شیخ الاسلام نے فرمایا: اگر دو سلام پھیرے تو اس کے بعد سجدہ سہو ادا نہیں ہو گا، کیونکہ یہ کلام ہے، (علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں پس دوسرے سلام کو ترک کرنا اس پر لازم و ضروری ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب: سجود السہو، جلد2، صفحہ 653، مطبوعہ: لاہور)

درمختار میں ہے:

"یجب بعد سلام واحد عن یمینہ فقط۔۔۔ وھو الاصح بحر عن المجتبی و علیہ لو اتی بتسلیمتین سقط عنہ السجود"

ترجمہ: (سجدہ سہو) فقط دائیں جانب سلام کے بعد واجب ہے اور یہی اصح ہے بحر۔ اور اگر سجدہ سہو لازم تھا اور اس نے دونوں طرف سلام پھیر دیا تو سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا۔ (درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، جلد2، صفحہ 652، مطبوعہ: لاہور)

اور ردالمحتار میں ہے:

"و علیہ فیجب ترک التسلیمة الثانیة"

یعنی اگر سجدہ سہو لازم ہو تو دوسرے سلام کا ترک ضروری ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، جلد2، صفحہ 653، مطبوعہ: لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"(سجدہ سہو) ایک سلام کے بعد چاہئے، دوسرا اسلام پھیرنا منع ہے، یہاں تک کہ اگر دونوں قصداً (جان بوجھ کر) پھیر دے گا سجدہ سہو نہ ہو سکے گا اور نماز پھیرنا واجب رہے گا۔ (فتاویٰ رضویہ، باب سجود السہو، جلد8، صفحہ 196، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

أبو أطھر محمد أظھر العطاري المدني عفی عنہ الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

29 جمادی الاولی 1441ھ 26 جنوری 2020ء

منت کے روزے مسلسل رکھیں یا الگ الگ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ منت کے روزے مسلسل رکھنا لازم ہیں یا الگ الگ بھی رکھ سکتے ہیں؟ جیسے کہ کہا "اللہ پاک فلاں شخص کو صحت عطا فرمائے تو میں 10 روزے رکھوں گا" سائل: توقیر رضا (پاکستان)

الجواب

صورت مسئولہ میں مریض کو شفاء ملنے پر منت کے 10 روزے رکھنا لازم ہیں اگرچہ مسلسل ہوں یا الگ الگ، اگر نہ رکھے تو گناہ گار ہوں گے۔ بوقت مَنت مسلسل روزے رکھنے کا زبان سے ذکر کیا یا دِل میں نیت حاضر تھی تو مسلسل رکھنا لازم ہیں ورنہ مسلسل اور الگ الگ دونوں طرح اختیار ہے، اگر مسلسل رکھنے کی منت مانی اور درمیان میں ایام ممنوعہ یا عورت کے حیض ونفاس کے ایام آرہے ہوں تو ان میں روزہ نہ رکھیں بلکہ ایام ممنوعہ گزرنے یا حیض ونفاس سے پاک ہونے کے بعد 10 روزے بطور قضاء رکھیں اور اگر درمیان میں ایک بھی روزہ چھوڑا اگرچہ جان بوجھ کر یا کسی مجبوری سے تو جتنے روزے ناغہ ہونے سے پہلے رکھے تھے ان سب کا اعادہ کرنا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

"یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا"

ترجمہ: نیک لوگ وہ ہیں جو اپنی منت پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے۔

(پارہ 29، سورۃ الدھر، آیت: 7)

امام بخاری ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی:

"عن النبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ و من نذر ان یعصیہ فلا یعصہ"

ترجمہ: رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ منت مانے کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اس کی اطاعت کرے (یعنی منت پوری کرے) اور جو اس کی نافرمانی کرنے کی منت مانے تو اس کی نافرمانی نہ کرے (یعنی اس منت کو پورا نہ کرے)

(صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فی الطاعۃ۔۔۔الخ، جلد 2، صفحہ 522، حدیث: 6696، مطبوعہ: لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

اگر ایسی چیز پر معلق کیا کہ اوس کے ہونے کی خواہش ہے مثلاً اگر میرا لڑکا تندرست ہو جائے یا پردیس سے آجائے یا میں روزگار سے لگ جاؤں تو اتنے روزے رکھوں گا یا اتنا خیرات کروں گا، ایسی صورت میں جب شرط پائی گئی یعنی بیمار اچھا ہو گیا یا لڑکا پردیس سے آگیا یا روزگار لگ گیا تو اوتنے روزے رکھنا یا خیرات کرنا ضرور ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ کام نہ کرے اور اس کے عوض میں کفارہ دیدے۔

(بہار شریعت، منت کا بیان، جلد 2، حصہ 9، صفحہ 314، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بحر الرائق میں ہے:

"ولو اوجب علی نفسہ صوما متتابعاً فصامہ متفرقاً لم یجز و علی عکسہ جاز"

ترجمہ: اگر مسلسل روزہ رکھنے کی منت مانی تو متفرق رکھنا جائز نہیں اور متفرق رکھنے کی منت مانی تو مسلسل جائز ہیں۔

(البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، جلد 2، صفحہ 519، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"فان نوی فیہ التتابع وافطر یوما فیہ او حاضت المراۃ فی مدۃ الصوم استانف واستانفت کذا فی السراج الوھاج"۔

ترجمہ:اگر مسلسل روزہ رکھنے کی منت مانی اور درمیان میں ایک دن روزہ نہ رکھا یا روزے کے دنوں میں عورت کو حیض آگیا تو مرد وعورت دونوں نئے سرے سے روزے رکھیں۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الصوم، الباب السادس فی النذر، جلد1، صفحہ208، مطبوعہ: کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے:

"اگر منّت میں پے در پے روزہ کی شرط یا نیّت کی جب بھی جن دنوں میں روزہ کی ممانعت ہے، اُن میں روزہ نہ رکھے۔ مگر بعد میں پے در پے ان دنوں کی قضا رکھے اور اگر ایک دن بھی بے روزہ رہا تو اس دن کے پہلے جتنے روزے رکھے تھے، ان سب کا اعادہ کرے۔"

(بہار شریعت، کتاب الصوم، منت کے روزے کا بیان، جلد1، حصہ5، صفحہ1016، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

8 جمادی الاخری 1441ھ 3 فروری 2020

بیوی کو شوہر کی قبر میں دفن کرنا کیسا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک عورت کی میت کو اس کے اہل خانہ نے شوہر کی قبر میں دفن کر دیا جو کہ 10 سال قبل فوت ہوا تھا حالانکہ قبرستان میں متبادل جگہ موجود تھی صرف مین یعنی مرکزی جگہ کا جواز بنا کر مرحوم شوہر کی قبر کشائی کر کے اس میں تدفین کر دی گئی۔ کیا اس طرح تدفین کرنا شرعاً درست ہے؟ اگر نہیں تو کیا میت قبر سے نکالا جائے یا اسی حال پر چھوڑ دیا جائے۔ بینوا و توجروا

سائل: شیخ عامر قادری (اورنگی ٹاؤن، کراچی، پاکستان)

الجواب

میت کو دفن کرنے کے بعد اگرچہ جسم خاک ہو چکا ہو قبر کھولنا ہرگز جائز نہیں کہ اس میں میت کی بے حرمتی، اس کی ہڈیوں کا علیحدہ کرنا ہے اور یہ ناجائز و گناہ ہے، البتہ اگر کسی غیر کی جگہ پر قبضہ کر کے مردے کو دفن کیا یا کوئی اور شرعی وجہ پائی گئی تو کھول سکتے ہیں، جبکہ صورت مسئولہ میں قبرستان میں دوسری جگہ ہونے کے باوجود بلا اجازت شرعی میت کو اس کے شوہر کی 10 سالہ پرانی قبر کھود کر دفن کیا گیا جو کہ ناجائز و گناہ ہے اور اس میں جو اہل خانہ برضا و خوشی شریک ہوئے سب گناہ گار ہوئے ان سب پر توبہ کرنا لازم ہے، لیکن اب اس دوسری میت کو وہاں سے نکالنے کیلئے دوبارہ قبر کُشائی کرنا قطعاً جائز نہیں کہ اس میں دونوں میتوں کی بے حرمتی ہونے کیساتھ ساتھ عورت پر اجنبی مردوں کی نظر پڑنے اور ان کے چھونے کا بھی قوی امکان ہے جو کہ سخت ناجائز۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

در مختار میں ہے:

لایخرج منه بعد اهالة التراب الالحق أدمی كان تكون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة ويخير المالک بين اخراجه ومساواته بالارض"

ترجمہ: مٹی ڈال دینے کے بعد قبر سے مردے کو نکالا نہ جائے گا مگر کسی انسان کے حق کی وجہ سے، مثلاً زمین غصب کی ہو یا شفعہ کی وجہ سے لے گئی ہو اور مالک کو اختیار ہو گا کہ مردے کو نکال دے یا قبر زمین کے برابر کر دے۔

(در مختار، کتاب الصلوۃ، باب صلوٰۃ الجنائز، جلد 3، صفحہ 171، 170، مطبوعہ: لاہور)

امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

"لایدفن اثنان فی قبر واحد الا لضرورۃ ولایحفر قبر لدفن آخر الا ان بلی الاول فلم یبق له عظم الا ان لایوجد بد فیضم عظام الاول ویجعل بینهما حاجز من تراب"

یعنی بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، نہ بلا مجبوری دوسرے کے دفن کے لئے قبر کھودنے کی اجازت، مگر جبکہ پہلا بالکل خاک ہو گیا ہو کہ اس کی ہڈی تک نہ رہی، ہاں مجبوری ہو تو ہڈیاں ایک طرف جمع کر کے انھیں اور اس میّت میں مٹی کی آڑ قائم کر دیں۔

(فتح القدیر، کتاب الجنائز، فصل فی الدفن، جلد 1، صفحہ 473، مطبوعہ: مصر)

تار تار خانیہ و امداد الفتاح میں ہے:

" اذا صار المیت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقیة وان جمعوا عظامه فی ناحیة ثم دفن غیرہ فیه تبرکا بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکرہ ذلک"

یعنی اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا مکروہ تحریمی و ناجائز ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے، اور اگر مزاراتِ صالحین کے قرب کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے میّت کی ہڈیاں ایک کنارے جمع کر دیں تو اب بھی ناجائز ہے جبکہ فارغ جگہ دفن کو مل سکتی ہے۔ (فتاوٰی تاتار خانیۃ، کتاب الجنائز، فصل فی القبر والدفن، جلد 3، صفحہ 75، مطبوعہ: ہند)

امام محمد ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ حلیہ میں فرماتے ہیں:

"یکرہ ان یدفن فی القبر الواحد اثنان الالضرورۃ وبهذا تعرف کراهة الدفن فی الفساقی، خصوصا ان کان فیها میّت لم یبل، واما ما یفعله جهلته اغبیاء من الحفارین وغیر فی المقابر المسبلة العامة وغیرها من بنش القبور التی لم یبل اربابها وادخال اجانب علیهم، فهو من المنکر الظاهر الذی ینبغی لکل واقف علیه انکار ذلک علی متعاطیه بحسب الاستطاعة فان کف والا دفع الٰی اولیاء الامور وفقهم اللہ تعالٰی لیقابلوہ بالتادیب، ومن المعلوم ان لیس من الضرورۃ المبیحة جمع میّتین ابتداء فی قبر واحد لقصد دفن الرجل مع قریبه او ضیق محل الدفن فی تلک المقبرۃ مع وجود غیرها وان کانت تلک المقبرۃ مما یتبرک بالدفن فیها البعض من بها من الموتٰی فضلا عن کون هذہ الامور وما جری مجرها مبیحة للنبش وادخال البعض علی البعض قبل البلی مع ما یحصل فی ضمن ذلک من هتک حرمة المیّت الاول وتفریق اجزائه فالحذر من ذلک"

یعنی بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ تہ خانوں میں دفن منع ہے خصوصاً جبکہ وہاں کوئی میّت موجود ہو جو ابھی خاک نہ ہوا اور وہ جو بعض گور کن وغیرہ جاہلان بد عقل کرتے ہیں کہ وقفی یا غیر وقفی قبرستان میں وہ قبر جس کا مردہ ہنوز خال نہ ہو کھود کر دوسرا دفن کر دیتے ہیں، یہ صریح معصیت ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ حتی الامکان انھیں ایسا کرنے سے خود روکے، اور اس کے روکے نہ رُکیں تو حکام کو اطلاع دیں کہ وہ ان لوگوں کو سزا دیں، اور شریعت سے معلوم ہے کہ کسی کو اس کے عزیز یا تبرک کے لئے کسی مزار کے پاس دفن کرنے کی غرض سے ابتداء دو جنازے ایک قبر میں رکھنا حلال نہیں جبکہ وہاں دوسرا مقبرہ موجود ہو، نہ کہ ان وجوہ کے لیے اگلی قبر کھودنا، اور ایک کے خاک ہونے سے پہلے دوسرے کا اس میں داخل کرنا، یہ کیسے حلال ہو سکتا ہے حالانکہ اس میں پہلے میّت کی ہتک حرمت اور اس کے اجزاء کا متفرق کرنا ہے تو خبر دار اس حرکت سے بچو۔

(ردالمحتار بحوالہ حلیہ ملخصًا باب صلوٰۃ الجنائز، جلد 3 ، صفحہ 163، مطبوعہ:لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"عبارات امام محمد حلبی میں یہ دیکھنا کہ اپنے عزیز یا کسی مزار کے قریب میں دفن کا قصد وہ ضرورت نہیں جس کے باعث ابتداء ایک قبر میں دو کا دفن مباح ہو جائے، صاف ثابت ہوا کہ ایسا کرنا حلال نہیں۔۔۔ کہ اس میں مسلمان میّت کی بحیر متی ہے۔۔۔ اور مسلمان میّت کی ہڈی علیحدہ کرنا ہے۔۔۔ میّت اگرچہ خاک ہو گیا ہو بلا ضرورت شدید اس کی قبر کھود کر دوسرے کا دفن کرنا جائز نہیں جیسا کہ تارتاخانیہ وغیرہا میں فرمایا، مگر کسی کی مملوک زمین ہے خاک ہو جانے کے بعد وہ اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے، عبارتِ تبیین کا یہی محل ہے، بہر حال خاک ہو جانے سے پہلے بلا مجبوری کسی کے نزدیک جائز نہیں۔۔۔ **اقول و قد یکون عظم امرأۃ فکیف یحل للاجانب النظر الیه و مسه کشعرها المقطوع کمانصوا علیه**"

اقول(میں کہتا ہوں) ایسا بھی ہو گا کہ ہڈی کسی عورت کی ہو تو نامحرموں کا اسے دیکھنا چھونا حلال نہیں، علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔"

(فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، دفن کا بیان، جلد 9، صفحہ 389، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت سے **"قبر کُشائی"** کے متعلق نہایت اَہَم و عبرت انگیز **"عرض و ارشاد"** مُلاحظہ فرمائیے:

عَرض: ایک قَبر کچّی ہے، ہر بار (بارش وغیرہ کا) پانی بھر جاتا ہے (کیا) اس میں پکّی ڈاٹ (یعنی سوراخ بند کرنے کی چیز) لگا دیں؟

ارشاد: قَبر پر ڈاٹ لگانے میں حَرَج نہیں، ہاں کھولی نہ جائے ۔ میّت کو دَفن کرکے جب مِٹّی دے دی گئی تو وہ اَمانت ہو جاتا ہے اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کی، اس کا کَشف (یعنی کھولنا) جائز نہیں۔ (کیونکہ قَبر میں مردہ) دو حال سے خالی نہیں (یا تو) مُعَذَّب (یعنی عذاب میں) ہے یا مُنْعَمْ عَلَیہ (یعنی نعمت میں)۔ اگر مُعَذَّب (یعنی عذاب میں) ہے تو دیکھنے والا دیکھے گا اِسے، جس سے اُسے (یعنی خود دیکھنے والے کو) رنج پہنچے گا اور کر کچھ نہیں سکتا۔ اور اگر مُنْعَمْ عَلَیہ (یعنی نعمت میں) ہے تو اس میں اُس (یعنی میّت) کی ناگواری ہے۔

(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت مُخَرَّجہ صَفْحَہ 501 تا 503، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح	**واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم**
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفي عنه الباري	**کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**
	15 جمادی الاُخریٰ 1441ھ 10 فروری 2020

مسجد کے صحن میں پانی کا بَور کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ مسجد کے صحن میں پانی کیلئے بورنگ کی جا سکتی ہے؟

سائل: ایاز حسین (حیدرآباد، پاکستان)

الجواب

مسجد اس زمین کو کہتے ہیں جو نماز کیلئے وقف ہو اور صحنِ مسجد بھی مسجد ہے کہ یہ بھی نماز کیلئے ہی وقف ہوتا ہے۔ لہذا صحنِ مسجد میں پانی کیلئے بورنگ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں اگرچہ مسجد کی ضروریات کیلئے ہو یا پانی فروخت کرکے مسجد کی آمدنی میں اضافہ مقصود ہو، اور اگر کسی

نے ایسا کیاتواس کروانے والے پر فوراًاسے ختم کرنا اور بطور تاوان اپنی جیب سے صحن کی اسی طرح مرمت کروانالازم ہے جیسے پہلے تھی۔البتہ اگر بورنگ مسجد بننے سے پہلے ہی کی ہوئی تھی اور بعدِ تعمیرِ مسجد وہ صحنِ مسجد کے اندر آگئی یافنائے مسجد جیسے وضو خانہ، استنجاء خانہ اور جوتے اتارنے کی جگہ وغیرہ میں کروائی تو حرج نہیں کہ یہ جگہیں مسجد کی ضروریات کیلئے ہی ہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:مسجد صرف اس زمین کانام ہے جو نماز کیلئے وقف ہو۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الوقف، باب المساجد، جلد16، صفحہ255،رضافاؤنڈیشن:لاہور)

اسی میں ہے:"صحنِ مسجد، مسجد ہے" (فتاوی رضویہ، جلد16، صفحہ284،رضافاؤنڈیشن:لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے **ملحق** ضروریات مسجد کیلئے ہے مثلاًجو تااتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ۔

(فتاوی امجدیہ، جلد1، حصہ1، صفحہ399، کتاب الصوم، مکتبہ رضویہ:کراچی)

بحر الرائق میں ہے:

"وفی الظهيرية وغيرها:يكره فی غرس الاشجارفی المسجدلانه يشبه البيعةالاان يكون به نفع للمسجدكان يكون ذانزاواسطوانيةلاتستقرفيغرس ليجذب عروق الاشجارذالک النذرفحينئذيجوزوالافلا۔۔۔ولايتخذالمسجدفی بئرماءلانه يخل فی حرمة المسجدفانه يدخله الجنب والحائض وان حفرفهوضامن بماحفرالااماكان قديمافيترک فبئرزمزم‌فی المسجدالحرام"

ترجمہ:مسجد میں درخت لگاناناجائزہے کیونکہ یہ کلیساء کے مشابہ ہے سوائے اس کے کہ جب مسجد کے نفع کیلئے ہو جیسے زمین مسجد نمناک ہواوردرختوں کے بغیراس کے ستون قرارنہ پکڑتے ہوں تودرخت لگاناجائزہے وگرنہ نہیں۔۔۔اور مسجد میں کنواں نہیں کھوداجائے گا۔۔۔اوراگر کھوداتوتاوان لازم ہوگا سوائے اس کے کہ وہ کنواں قدیم ہو(یعنی مسجد بننے سے پہلے کاہو) تواس کواس کی حالت پر چھوڑدیاجائے گاجیسے زمزم شریف کاکنواں مسجد حرام میں ہے۔

(بحر الرائق بحوالہ ظہیریہ، کتاب الصلوۃ، فصل لمافرغ من بیان الکراہۃ فی الصلوۃ، جلد2، صفحہ62، دارالکتب العلمیہ:بیروت)

منحۃ الخالق میں ہے:

"قوله والافلادليل على انه لايجوزاحداث الغرس فی المسجدولاابقاءهوفيه لغيرذلک العذرولوكان المسجدواسعاًولوقصدبه‌الاستغلال‌للمسجدالخ"۔

ترجمہ: امام ظہیرالدین کاقول والافلا(ورنہ ناجائزہے)یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عذر کے بغیر مسجد میں ابتداءدرخت لگانا بھی ناجائزاور لگے ہوئے درختوں کوباقی رکھنا بھی ناجائزہے اگرچہ مسجد وسیع ہواور اگرچہ اس سے مسجد کیلئے کرایہ لینامقصود ہو۔الخ۔

(منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، فصل لمافرغ من بیان الکراہۃ۔۔۔جلد2، صفحہ61، دارالکتب العلیہ:بیروت)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر درخت مسجد کے مسجد ہونے سے پہلے رکھا گیا تو عدم جواز مذکور کے تحت میں داخل نہیں کہ اس تقدیر پر یہ درخت مسجد میں نہ بویا گیا بلکہ مسجد زمینِ درخت میں بنائی گئی۔ (فتاوی رضویہ، ج16، صفحہ 336، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

در مختار میں ہے:

"لوبنی فوقه بیتاللامام لایضر لانه من المصالح امالوتمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع، ولوقال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیه، فاذاکان هذافی الواقف فکیف بغیره، فیجب هدمه ولوعلی جدارالمسجد"۔

ترجمہ: اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے روکا جائے گا، اگرچہ وہ کہے کہ میرا شروع سے ارادہ تھا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہوسکتی ہے۔ لہذا ایسی عمارت کو گرادینا واجب ہے اگرچہ وہ مسجد کی دیوار پر ہو۔

(در مختار، کتاب الوقف، باب احکام المسجد، جلد1، صفحہ 548، مطبوعہ: لاہور)

جو کچھ نقصان حجرہ مسجد یا دیوار حجرہ مسجد کو پہنچے اسے اپنے داموں سے ویسا ہی بنوادے جیسا پہلے بنا ہوا تھا۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الوقف، باب المساجد، جلد16، صفحہ 307، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح	واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	3 رجب المرجب 1441ھ 28 فروری 2020

آڈیو، ویڈیو کال پر سلام کے جواب کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اسکائپ۔۔یا۔۔واٹس ایپ وغیرہ پر آڈیو، ویڈیو کال خواہ گروپ کی صورت میں ہو۔۔یا۔۔انفرادی، ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا واجب ہے؟ سائل: محمد عمران (دبئی)

الجواب

بذریعہ خط و کتاب یا براہ راست ملاقات کے ارادے سے آنے والے کے سلام کا فورا (جلد از جلد) جواب دینا واجب ہے، بلاعذر تاخیر کی تو گناہ گار ہوئے لہذا توبہ لازم ہے۔ اور دور حاضر میں آڈیو، ویڈیو کال اگرچہ براہ راست ملاقات نہیں لیکن خط و کتابت سے بڑھ کر ہے، لہذا اس کا بھی یہی حکم ہے، یعنی اگر تحیۃ و ملاقات کے ارادے سے ہو جیسے آج کل گپ شپ یا حال احوال جاننے کیلئے کال کی جاتی ہے خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، جواب دینا واجب ہے، گروپ میں سے کسی ایک نے بھی جواب دے دیا، سب بری الذمہ ہوگئے، جبکہ افضل یہ ہے کہ سب جواب دیں، ہاں اگر اس گروپ کال میں کسی نے کسی خاص شخص کا نام لے کر سلام کیا تو اسی کو جواب دینا واجب ہے، دوسرے کے جواب دینے سے وہ بری الذمہ نہ ہوگا، اور اگر ملاقات کا ارادہ نہ ہو جیسے میٹنگز میں ملازمین، کلاسز میں سٹوڈنٹس، سرکاری آفیسر، کمپنی مینجر، مفتی اسلام وغیرہ نے آڈیو، ویڈیو کال کے ذریعے شرکت کی اور کسی نے سلام کیا تو انہیں جواب دینا واجب نہیں کیونکہ ملازمین نظام کی معلومات حاصل کرنے، سٹوڈنٹ لیکچر لینے، سرکاری آفیسر، کمپنی مینجر اور مفتی اسلام لوگوں کے مسائل حل

کرنے کے لئے آن لائن ہوئے ہیں اورلوگ ان سے اپنے مسائل کے حل کیلئے رابطہ کررہے ہیں نہ کہ تحیت وملاقات کے ارادے سے، لہٰذا انہیں سلام کا جواب دیناواجب نہیں۔اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

"وَاِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا"

ترجمہ: جب تم کو کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو، بے شک اللہ (عزوجل) ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔ (پ5، النسآء:86)

حدیث مبارکہ میں ہے:

عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یجزیء عن الجماعة اذامروا ان یسلم احدھم ویجزیء عن الجلوس ان یرد احدھم روہ البیھقی فی شعب الایمان مرفوعاً۔

امیرلموٴمنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: فرمایا: جماعت کہیں سے گزری اس میں سے ایک نے سلام کرلیا یہ کافی ہے اور جولوگ بیٹھے ہیں، ان میں سے ایک نے جواب دے دیا یہ کافی ہے۔اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاًروایت کیاہے۔

(مشکوۃ المصابیح، جلد1، کتاب الاداب، باب السلام، الفصل الثانی، حدیث 4439، مطبوعہ: لاہور)

(شعب الإیمان، باب في مقاربۃ وموادۃ اھل الدین، فصل في سلام الواحد...إلخ، الحدیث:8922، جلد6، صفحہ 466)

درمختار میں ہے:

"ردالسلام وتشمیت العاطس علی الفور"

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"انہ اذا اخرہ لغیر عذر کرہ تحریما، ولا یرتفع الاثم بالرد بل التوبة"

یعنی سلام اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب فوراً دیناواجب ہے، بلاعذر تاخیر کی توگنہگار ہوا اور یہ گناہ جواب دینے سے دفع نہ ہوگا، بلکہ توبہ کرنی ہوگی۔ ("الدرالمختار" و "ردالمحتار"، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9، صفحہ 683)

فوراًواجب ہونے کا معنی "مجمع الانھر" میں یہ بیان کیاگیاہے:

"معنی یجب علی الفور انہ یجب تعجیل الفعل فی اول اوقات الامکان"

یعنی علی الفور واجب ہونے کا معنی یہ ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو، فعل کو بجالاناواجب ہے۔

(مجمع الانھر، کتاب الزکوۃ، داراحیاء التراث العربی: بیروت، جلد1، صفحہ 192)

اورامام اہلسنت **امام احمدرضاخان قادری** علیہ الرحمن فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک جواب سلام علی الفورواجب ہے، تاخیر میں اثم (گناہ) ہوگا **"حتی قالو الواخر الی آخرالکتاب کرہ"**۔(یہاں تک فرمایا کہ اگراس نے خط کاجواب لکھنے تک سلام کے جواب میں تاخیر کی تو مکروہ ہے)

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ 714، رضافاوٴنڈیشن: لاہور)

در مختار میں ہے:

"ویجب رد جواب کتاب التحیة کرد السلام"

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"لان الکتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر۔مجتبی۔و الناس عنه غافلون"۔

ترجمہ: خط و کتابت کے ذریعے کئے گئے سلام کا جواب واجب ہے، کیونکہ غائب کا خط حاضر سے خطاب کے درجے میں ہے، اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ (الدرالمختار"و"ردالمحتار"، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، جلد9 صفحہ 685)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"السلام تحیة الزائرین و الذین جلسوا فی المسجد للقراۃ و التسبیح او لانتظار الصلوۃ ما جلسوا فیه لدخول الزائرین علیهم فلیس هذا اوان السلام فلا یسلم علیهم و لهذا قالوا لو سلم علیهم الداخل وسعهم ان لا یجیبوہ"

ترجمہ: سلام اس لیے ہے کہ ملاقات کرنے کو جو شخص آئے وہ سلام کرے کہ زائر اور ملاقات کرنے والے کی یہ تحیت ہے۔ لہٰذا جو شخص مسجد میں آیا اور حاضرین مسجد تلاوت قرآن و تسبیح و درود میں مشغول ہیں یا انتظارِ نماز میں بیٹھے ہیں تو سلام نہ کرے کہ یہ سلام کا وقت نہیں۔ اسی واسطے فقہا یہ فرماتے ہیں کہ ان کو اختیار ہے کہ جواب دیں یا نہ دیں۔

(الفتاوی الھندیة"، کتاب الکراھیة، الباب السابع في السلام، جلد5، صفحہ 325)

اسی میں ہے:

"و لا یسلم المتفقه علی استاذہ و لو فعل لا یجب رد سلامه کذا فی القنیة"

یعنی عالمِ دین تعلیم علمِ دین میں مشغول ہے، طالب علم آیا تو سلام نہ کرے اور سلام کیا تو اس پر جواب دینا واجب نہیں۔

(الفتاوی الھندیة"، کتاب الکراھیة، الباب السابع في السلام، جلد5، صفحہ 325)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

" اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ وہ پڑھا نہ رہا ہو سلام کا جواب دینا واجب نہیں، کیونکہ یہ اس کی ملاقات کو نہیں آیا ہے کہ اس کے لیے سلام کرنا مسنون ہو بلکہ پڑھنے کے لیے آیا ہے، جس طرح قاضی کے پاس جو لوگ اجلاس میں جاتے ہیں وہ ملنے کو نہیں جاتے بلکہ اپنے مقدمہ کے لیے جاتے ہیں"۔ (بہار شریعت، جلد3، حصہ16، سلام کا بیان، صفحہ 462، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

فتاوی عالمگیری میں ہے: "رجل اتی قوما فسلم علیهم وجب علیهم ردہ"

ترجمہ: ایک شخص مجلس میں آیا اور اس نے سلام کیا اہلِ مجلس پر جواب دینا واجب ہے۔

(الفتاوی الھندیة"، کتاب الکراھیة، الباب السابع في السلام، جلد5، صفحہ 325)

اسی میں ہے:

"اذادخل جماعة علیٰ قوم فان ترکوا السلام فکلهم آثمون فی ذلک وان سلم واحد منهم جاز عنهم جمیعاً وان سلم کلهم فهوافضل وان ترکوا الجواب فکلهم آثمون وان ردواحدمنهم اجزاهم وبه ردالاثر ۔۔۔وان اجاب کلهم فهوافضل کذافی الذخیرۃ"

ترجمہ: ایک جماعت دوسری جماعت کے پاس آئی اور کسی نے سلام نہ کیا تو سب نے سنت کو ترک کیا، اور اگر ان میں سے ایک نے سلام کر لیا تو سب بری ہو گئے اور افضل یہ ہے کہ سب ہی سلام کریں۔ یوہیں اگر ان میں سے کسی نے جواب نہ دیا تو سب گنہگار ہوئے اور اگر ایک نے جواب دے دیا تو سب بری ہو گئے اور افضل یہ ہے کہ سب جواب دیں۔ اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔

(الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع فی السلام، جلد5، صفحہ325)

اسی میں ہے: "فامااذاسماہ فقال السلام علیک یازیدفاجابہ غیر زید لایسقط الفرض عن زید"

ترجمہ: اگر اس نے کسی شخص کا نام لے کر سلام کیا کہ اے زید السلام علیک تو خاص زید کو جواب دینا ہو گا، دوسرے کا جواب اس کے جواب کے قائم مقام نہیں ہو گا۔ (الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع فی السلام، جلد5، صفحہ325)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم و أحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — کتبه: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

9 شوال المکرم 1441ھ 1 جون 2020

فرض کی دوسری رکعت میں جہری قرات بھول گئے تو لقمہ دیا گیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ امام صاحب نماز مغرب کی دوسری رکعت میں جہری قرات کرنا بھول گئے یہاں تک کہ سورہ فاتحہ مکمل کرنے ہی والے تھے کہ مقتدیوں نے لقمہ دیا، جس پر سورہ فاتحہ مکمل کرنے کے فورا بعد امام صاحب نے سورۃ التکاثر بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دی اور آخر میں سجدہ سہو کر لیا، کیا نماز درست ہو گئی؟ سائل: عبد اللہ

الجواب

صورت مسئولہ کا حکم سمجھنے سے قبل چند باتوں کو ذہن نشین فرمالیں۔

1:- سری نماز میں جہری یا جہری نماز میں سری قرات کرنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، اگرچہ ایک ہی آیت پڑھی ہو۔

2:- نصف سے کم سورہ فاتحہ پڑھی تھی کہ خود یا مقتدیوں کے لقمہ دینے سے یاد آگیا اور دوبارہ شروع سے جہری یا سری قرات کر لی تو واجب شدہ سجدہ سہو ساقط ہو گیا، لہذا بغیر سجدہ سہو نماز درست ہو گی۔

3:- نصف سے کم سورہ فاتحہ پڑھی اور خود یا مقتدیوں کے لقمہ دینے سے یاد آگیا اور جہاں پہنچا تھا وہیں سے سری یا جہری قرات شروع کر دی تو جو سجدہ سہو واجب ہوا تھا ساقط نہ ہوا بلکہ بدستور باقی رہا، لہذا سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جائے گی۔

4:- نصف یا نصف سے زائد سورہ فاتحہ پڑھ لی پھر یاد آیا تو دوبارہ شروع سے پڑھنے سے بھی سجدہ سہو ساقط نہ ہو گا۔

5:- لقمہ دینے کی اجازت اس صورت میں ہے جب نماز ٹوٹ رہی ہو یا سجدہ سہو واجب ہو رہا ہو یا واجب شدہ سجدہ سہو کے ساقط ہونے کی کوئی صورت ہو۔

6:- جب سجدہ سہو کے ساقط ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو لقمہ دینا ناجائز ہے، اگر مقتدی نے دیا تو لقمہ کے ناجائز و بے محل ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز فاسد، اگر امام نے لیا تو امام سمیت سب نمازیوں کی بھی فاسد ہو جائے گی۔

ان مقدمات سے بالکل واضح ہو گیا کہ صورت مسئولہ میں امام نصف سے زائد سورہ فاتحہ پڑھ چکا تھا اب خواہ خود یاد آنے پر بھی دوبارہ شروع سے پڑھتا تو سجدہ سہو ساقط نہ ہو تا بلکہ بدستور واجب ہی رہتا لہذا مقتدیوں کو لقمہ دینے کی اجازت نہ تھی، پھر بھی مقتدیوں نے دیا تو لقمہ دینے والوں کی نماز ٹوٹ گئی اور جب امام نے ان مقتدیوں سے لقمہ لیا جو خود نماز میں نہ تھے تو امام کیساتھ سب نمازیوں کی بھی ٹوٹ گئی، جب نماز ہی ٹوٹ گئی تو سجدہ سہو کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لو جهر فيما يخافت او خافت فيما يجهر وجب عليه سجود السهو"۔

ترجمہ: ماتجوزبہ الصلوۃ (یعنی اتنی مقدار جس سے نماز کا فرض ادا ہو جاتا ہے) سری کرنی تھی بھول کر جہری کر لی یا جہری کرنی تھی بھول کر سری کر لی سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 128، مطبوعہ: کوئٹہ)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن سے سوال ہوا کہ "آیت مایجوز بہ الصلوۃ کتنی مقدار ہے؟ تو جواباً ارشاد فرمایا:

"وہ آیت کہ چھ حرف سے کم نہ ہو اور بہت نے اس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ صرف ایک کلمہ کی نہ ہو۔"

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، جلد 6، صفحہ 344، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

چھوٹی آیت جس میں دو یا دو سے زائد کلمات ہوں پڑھ لینے سے فرض ادا ہو جائے گا۔

(بہار شریعت، قرات کا بیان، جلد 1، حصہ 3، صفحہ 512، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

جہری نماز میں سری یا سری نماز میں جہری کرنا شروع کی، سورہ فاتحہ نصف سے کم پڑھی تھی کہ اصلاح کر لی اور شروع سے اس کا اعادہ کر لیا تو سجدہ سہو جو واجب ہوا تھا ختم ہو گیا۔

امام اہلسنت علیہ الرحمہ "جدالممتار" میں فرماتے ہیں:

"لو خافت ببعض الفاتحه يعيده جهرا لان تكرار البعض لايوجب السهو ولا الاعادة والاخفاء بالبعض يوجبه فبالاعادة جهرا يزول الثاني ولا يلزم الاول"

ترجمہ: اگر بعض فاتحہ آہستہ قرات کی تو وہ جہرا اس کا اعادہ کرے کیونکہ بعض کا تکرار سجدہ سہو اور نماز کے اعادہ کو واجب نہیں کرتا اور بعض کو آہستہ پڑھنا اس کو واجب کرتا ہے تو جہرا اعادہ کرنے سے دوسرا (نماز کے اعادہ کا وجوب) زائل ہو جاتا ہے اور پہلا (سجدہ سہو کا وجوب) لازم نہیں ہوتا۔ (جدالممتار، کتاب الصلوۃ، فصل فی القراۃ، جلد 3، صفحہ 237، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

اس جزئیہ میں امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے صراحتاً فرمایاہے کہ جہری نماز میں اگر بعض سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھاتھاتو جہراشروع سے سورہ فاتحہ پڑھے تاکہ اعادہ یاسجدہ سہو کاحکم ساقط ہوجائے۔

لیکن اگر سورہ فاتحہ نصف یانصف سے زائدپڑھ چکاتھاتو شروع سے اعادہ نہیں کر سکتاکہ نصف فاتحہ کاتکرار خود ترک واجب ہے۔

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اوراگر پہلی رکعتوں میں الحمد کازیادہ حصہ پڑھ لیاتھا۔پھر اعادہ کیاتوسجدہ سہوواجب ہے۔

(بہار شریعت، جلد1، حصہ3، صفحہ711، مکتبۃالمدینہ:کراچی)

شارح بخاری **مفتی محمد شریف الحق امجدی** علیہ الرحمہ فتاوی امجدیہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"آہستہ آہستہ سورہ فاتحہ پڑھتارہا، پھر بلند آواز سے پڑھناشروع کیا، تواگر سورہ فاتحہ کااکثر حصہ پڑھ لیاتھاپھر شروع سے پڑھناشروع کیاتوبھی سجدہ سہوواجب ہے کہ یہ اکثرسورہ فاتحہ کی تکرارہوئی اوریہ موجب سجدہ سہوہے،اگردونوں دفعہ بلاقصد سہواًہواہوتواوراگر بالقصد تکرار کی تواعادہ واجب، اوراگر سورہ فاتحہ کااکثر حصہ نہیں پڑھاتھاتونہ سجدہ سہوہے، نہ اعادہ۔

(فتاوی امجدیہ، کتاب الصلوۃ، باب سجود السہو، جلد1، صفحہ282، مکتبہ رضویہ، کراچی)

جس مقام پر ترک واجب ہوگیاہو اور لقمہ دینے سے لازم شدہ سجدہ سہوساقط ہوسکتاہوتووہاں لقمہ دینادرست ہوتاہے۔

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ترک واجب ولزوم سجدہ سہوہوچکا،اب اس کے بتانے سے مرتفع(ساقط)نہیں ہوسکتا،اوراس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کااندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیاجائے کہ غایت درجہ بھول کر سلام پھیر دے گا، پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہوکاسہوہی رہے گا،ہاں جس وقت سلام شروع کرتا،اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کوبتاناچاہئے تھاکہ اب نہ بتانے میں خلل وفسادِ نماز کااندیشہ ہے کہ یہ تواپنے گمان میں نماز تمام کرچکا،عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز وغیرہ اس سے واقع ہوجائے،اس سے پہلے نہ خلل واقع کاازالہ تھا،نہ خلل آئندہ کااندیشہ ،توسوافضول وبے فائدہ کے کیاباقی رہا،لہذا مقتضائے فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز(نماز کے ٹوٹنے کاحکم)ہے۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، جلد7، صفحہ264، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

اس جزئیہ کی ابتدائی اورانتہائی عبارت سے پتاچلاکہ اگر لقمہ دینے سے ترک واجب ولزوم سجدہ سہوکاارتفاع ہوسکے تولقمہ دینابرمحل ہے۔اس کی نظیروہ صورت ہے جس میں امام قرات میں کوئی ایسی غلطی کرے جو مفسد نماز ہے اب بعدِ غلطی اس کو لقمہ دیناضروری ہے تاکہ دفعِ فساد ہو۔

چنانچہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ہاں اگروہ غلطی کرکے رواں ہوجائے تواب نظر کریں،اگر غلطی مفسد معنی ہے جس سے نماز فاسد ہوتوبتانالازم ہے،اگر سامع کے خیال میں نہ آئی،ہر مسلمان کو حق ہے کہ بتائے،کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کافساد ہے اوردفع فساد لازم۔

(فتاوی رضویہ، جلد7، صفحہ286، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

الجواب صحیح
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم
کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
13 رجب المرجب 1441ھ 9 مارچ 2020

اسلامی ملک میں مندر بنانا کیسا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ

(1) اسلامی ریاست کے دار الحکومت میں مندر بنانا کیسا؟

(2) اسلامی ریاست میں مندر بنانے کی اجازت دینا اور اس کے لئے چندہ دینا کیسا ہے؟

(3) زید نے مندر بنانے کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے عید کی نماز چرچ (عیسائیوں کے گرجا گھر) میں پڑھی ہے۔

(4) اور کہا کہ "کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔" اس کا ایسا کہنا شرعا کیسا ہے؟

جواب مدلل و مفصل دیں۔ بینوا و توجروا سائل: عبد اللہ

الجواب

(1) دار الاسلام (اسلامی ریاست) میں نئے مندر، چرچ (گرجا گھر) وغیرہ بنانے کی شرعا اجازت نہیں ہے، البتہ جو پہلے سے بنے تھے انہیں باقی رکھا جائے گا، اگر وہ خود بخود گر جائیں تو انہیں دوبارہ بنانے کی اجازت ہے، لیکن ان کے بدلے کسی دوسری جگہ بنانے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ بھی نیا بنانے کے حکم میں ہے، بالخصوص جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا (جیسے پاکستان کا دار الحکومت، اسلام آباد جسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ریاست نے 1962ء میں آباد کیا) ان میں غیر مسلموں کی عبادت گاہ بنانا قطعا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ خود اپنے چندے سے جگہ خرید کر بنانا چاہیں تب بھی جائز نہیں۔

(2) دار الاسلام میں مندر بنانے کی اجازت بادشاہ اسلام بھی نہیں دے سکتا کہ یہ کفر و شرک کی اجازت دینا ہے جو کہ خود کفر ہے لہذا اس کی اجازت دینا بھی ہرگز کسی کیلئے جائز نہیں۔ اور اس کیلئے مسلمانوں کا یا اسلامی ریاست کا چندہ دینا بھی ناجائز و گناہ بلکہ کفر ہے کہ کفر و شرک کی اعانت (مدد کرنا) بھی کفر ہے۔

(3) زید کا یہ کہنا کہ اس نے چرچ (گرجا گھر) میں عید کی نماز پڑھی سخت بے باکی بلکہ حرام ہے، کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں جانا ہی ناجائز و گناہ ہے تو وہاں نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ حرام۔

(4) اور زید کا دار الاسلام کے دار الحکومت میں مندر بنانے کی حمایت کرتے ہوئے یہ کہنا کہ "کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت حاصل نہیں" قرآن مجید فرقان حمید کی بے شمار آیات کریمہ کا انکار ہے جو کہ سخت کفر۔ اللہ رب العزت نے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا اور اسے دین حق فرمایا، اور اس کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنے کو رد فرمایا، پھر اسلام شرک و کفر کو مٹانے والا ہے جبکہ دیگر مذاہب کفر و شرک کو عام کرنے والے، اسلام اللہ رب العزت کا پسندیدہ دین حق ہے جبکہ کفر و شرک شیطان کا راستہ، اسلام

توحید کا داعی ہے جبکہ دیگر مذاہب توحید کے مخالف تو پھر دوسرے مذاہب اسلام کے برابر کیسے ہو گئے، زید کے یہ جملے سخت کفریہ ہیں۔ مندر کی حمایت کرنا کیا کم کفر تھا جو توہین اسلام بھی کر دی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

لہذا زید و بکر یا جو بھی افراد جنہوں نے دارالاسلام کے دارالحکومت میں مندر بنانے کی تائید و حمایت کی ہے، یا مندر بنانے میں چندہ دیں گے، یا اس کی کسی بھی طرح کی معاونت کر رہے ہیں یا کریں گے، ان پر حکم کفر ہے، ان کے تمام نیک اعمال برباد ہو گئے، ان کی بیویاں نکاح سے نکل گئیں، ان پر جلد از جلد توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح فرض ہے، اگر اسی حالت میں مر جائیں تو ان کا جنازہ پڑھنا، دعائے مغفرت کرنا سب ناجائز و حرام ہے۔ اب اس کی بالترتیب تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

1:- در مختار میں ہے:

"(ولا) یجوز ان (یحدث بیعة، ولا کنیسة ولا صومعة، ولا بیت نار، ولا مقبرة) ولا صنماً۔ حاوی (فی دار الاسلام) ولو قریة فی المختار۔ فتح)"

ترجمہ: دارالاسلام نئے بیعۃ (عیسائیوں کے عبادت خانے یعنی گرجا گھر) کنیسہ (یہودیوں کے عبادت خانے) صومعہ (راہبوں کا عبادت خانہ) آتش کدہ (آتش پرست، مجوسیوں وغیرہ کا عبادت خانہ) ان کا قبرستان اور بت خانہ (مندر وغیرہ) بنانا جائز نہیں ہے اگرچہ کسی دیہات میں بنانا چاہیں، یہی مختار ہے، اور فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔

(الدر المختار "و" رد المحتار"، کتاب الجهاد، فصل فی الجزیة، مطلب: فی أحکام الکنائس... إلخ، ص ۳۱۴۔۳۲۰)

رد المحتار مع در مختار میں ہے:

"فلو صارت مصر اللمسلمین منعوا من الاحداث، ولا تترک لهم الکنائس القدیمة ایضا، لکن لا تهدم، بل یجعلها مساکن لهم، لانها مملوکة لهم، بخلاف ما صالحهم علیها قبل الظهور علیهم، فانه یترک لهم القدیمة ویمنعهم من الاحداث بعد ما صارت من امصار المسلمین۔ اھ۔ ملخصاً"

یعنی دارالاسلام ہونے کے بعد ذمی اب نئے گرجے (عیسائیوں کے عبادت خانہ) اور بت خانے (مندر) اور آتش کدہ (مجوسیوں کا عبادت خانہ) نہیں بنا سکتے اور پہلے کے جو ہیں وہ باقی رکھے جائیں گے، گرائیں گے نہیں۔ اگر لڑ کر شہر کو فتح کیا ہے تو وہ رہنے کے مکان ہوں گے کیونکہ وہ انہیں کی ملکیت ہیں اور صلح کے ساتھ فتح ہوا تو بدستور عبادت خانے رہیں گے۔ اور مسلمانوں کا شہر ہونے کے بعد نئے عبادت خانے بنانے سے روکا جائے گا۔ (الدر المختار "و" رد المحتار"، کتاب الجهاد، فصل فی الجزیة، مطلب: فی أحکام الکنائس... إلخ، ص ۳۱۴۔۳۲۰)

بدائع الصنائع میں ہے:

"یمنعون من احداث الکنائس فی امصار المسلمین قال النبی صلی اللہ علیه وسلم: "لا خصاء فی الاسلام ولا کنیسة" ای لا یجوز اخصاء الانسان والاحداث الکنیسة فی دار الاسلام"

ترجمہ: عیسائیوں کو مسلمانوں کے شہروں میں نئے کنیسے بنانے سے منع کیا جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خصی کرنا اور کنیسہ بنانا اسلام میں نہیں ہے" یعنی انسان کو خصی کرنا اور دارالاسلام میں نیا کنیسہ بنانا جائز نہیں۔

(بدائع الصنائع، کتاب الاجارہ، فصل: واما شرائط الرکن فانواع جلد 4، صفحہ 176، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

اسی میں ہے:

"(واما)احداث کنیسة اخری فیمنعون عنه فیماصار مصر امن امصار المسلمین لقوله علیه الصلاة و السلام لا کنیسة فی الاسلام ای فی دار الاسلام و لو انهدمت کنیسة فلهم ان یبنوها کما کانت لان لهذا البناء حکم البقاء و لهم ان یستبقوها فلهم ان یبنوها و لیس لهم ان یحولوها من موضع الی موضع آخر لان التحویل من موضع الی موضع آخر حکم احداث کنیسة اخری (واما)فی القری اوفی موضع لیس فی امصارالمسلمین فلایمنعون من احداث الکنائس۔۔۔لان الممنوع اظهارشعائرالکفرفی مکان اظهارشعائرالاسلام وهوامصارالمسلمین ۔۔۔۔انه لایتعرض لکنائسهم القدیمة ولکنهم لواراداوان یحدثوا شیئامنها یمنعوا من ذلک لانها صارت مصرامن امصارالمسلمین واحداث الکنیسة فی مصرمن امصارالمسلمین ممنوع عنه شرعافان مصرا الامام للمسلمین کمامصر سیدناعمر رضی الله عنه الکوفة و البصرة فاشتری قوم من اهل الذمة دورا و ارادوا ان یتخذوا فیها کنائس لا یمکنوا من ذلک لما قلنا و کذلک لو تخلی رجل فی صومعته منع من ذلک لان ذلک فی معنی اتخاذ الکنیسة"

ترجمہ:مسلمانوں کے شہر میں نئے کنیسے(گرجاگھر وغیرہ)بنانا ممنوع ہے،کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:اسلام یعنی دارالاسلام میں کنیسہ(بنانا جائز)نہیں ہے،اگر خود بخود(اس کی عمارت)گر جائے تو ان کیلئے جائز ہے کہ جیسے تھاویسے دوبارہ بنادیں کیونکہ حکم بقاء اسی تعمیر نو کی وجہ سے ہے،کیونکہ جب انہیں اس کی حفاظت کی اجازت ہے تو اسے دوبارہ تعمیر کرنے کی بھی اجازت ہے۔البتہ ان کیلئے اسے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں،کیونکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا نیا کنیسہ بنانے کے حکم میں ہے۔اور بہر حال کسی ایسی بستی یا جگہ میں بنانا جہاں مسلمان آباد نہ ہوں تو یہاں نیا کنیسہ بنانا منع نہیں،۔۔۔۔(کچھ آگے فرماتے ہیں)کیونکہ شعائر اسلام کے اظہار کی جگہوں پر شعائر کفر کا اظہار کرنا منع ہے اور(شعائر اسلام کے اظہار کی جگہ)مسلمانوں کے شہر ہیں،۔۔۔۔۔(آگے فرماتے ہیں)ان کے قدیم کنیسے نہیں گرائے جائیں گے،لیکن اگر وہ نئے بنانا چاہیں تو انہیں روک دیا جائے گا،کیونکہ مسلمانوں کے شہروں میں سے ایک شہر ہے،اور مسلمانوں کے شہروں میں نئے کنیسے بنانا شرعا منع ہے،پھر اگر کسی شہر کو بادشاہ اسلام نے مسلمانوں کیلئے آباد کیا جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ اور بصرہ کو مسلمانون کیلئے آباد کیا،تو ذمی(کفار)میں سے ایک قوم نے وہاں گھومنے پھرنے کیلئے جگہ خریدی ،حالانکہ ان کا ارادہ اس میں نئے کینسے بنانے کا تھا،توانہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی،اسی وجہ سے جو ہم بتا چکے ہیں،اسی طرح اگر کوئی(راہب)شخص اپنی(پوجاپاٹ کے)کمرے میں تنہائی میں(پوجاپاٹ)شروع کردے تو اسے اس سے روک دیا جائے گا کیونکہ یہ بھی نیا کنیسہ بنانے کے معنی میں ہی ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،کتاب السیر،مطلب واما مایخذبہ اہل الذمۃ الخ،جلد7،صفحہ 114،دار لکتب العلمیہ،بیروت،لبنان)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ الرحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

"کفر کے اہتمام میں شریک ہونا اور اس پر راضی ہونا کفر ہے الرضا بالکفر کفر(کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ت)وہ لوگ اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے۔۔۔۔۔۔مندروں کی اعانت بتوں کی زینت وغیرہ،اور ان پر راضی ہونا کفر ہے۔"

(فتاوی رضویہ،21,صفحہ 297،رضافانڈیشن:لاہور)

شارح بخاری **مفتی محمد شریف الحق امجدی** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"جو شخص مندر تعمیر کروائے۔۔۔۔۔وہ اسلام سے خارج ہو کر کافر و مرتد ہو گیا کہ یہ کفر و شرک پر رضا بھی ہے اور اعانت بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انکم اذامثلھم "یعنی اب تم بھی انہیں لوگوں جیسے ہو۔ (سورۃ النساء، پارہ5، آیت140)

(فتاوی شارح بخاری، جلد2، صفحہ 567، مکتبہ برکات اہلسنت: کراچی)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

"مندر بنانا اس میں بت رکھنا لوگوں کو اس میں پوجا کرنے کی کھلی چھٹی دینا دو دو کفر پر مشتمل ہے۔ کفر و شرک پر اعانت (اور) کفر و شرک پر رضا (راضی ہونا) یہ دونوں الگ کفر ہیں۔ (فتاوی شارح بخاری، جلد2، صفحہ 572، مکتبہ برکات اہلسنت: کراچی)

کم از کم اس میں مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے جیسا کہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"جس کی سکونت سے مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں فتنہ وضلال کا اندیشہ وخیال ہو اسے جگہ دینا معاذاللہ مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے، تو "یحبون ان تشیع الفاحشۃ "(وہ چاہتے ہیں کہ فحاشی پھیلے۔) (القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹)

حقیقۃ (فحاشی) نہ سہی اس کی طرف منجر (فحاشی کی طرف لے جانے والی تو) ہے۔ "وانما الدین النصح لکل مسلم " دین تو یہی ہے کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کیجئے۔ (صحیح البخاری کتاب الشروط باب مایجوز من الشروط الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۵)

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵۔۵۴)

(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ 442، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

2:- امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

سلطانِ اسلام ہر گز کفار کو مراسمِ کفر کی اجازت نہیں دے سکتا، کیا اجازت کفر دے کر خود کافر ہو گا بلکہ "**نترکھم ومایدینون**" (انہیں ہم ان کے دین پر چھوڑ دیں گے) یعنی جہاں جس بات کا ازالہ کا حکم نہیں وہاں تعرض نہ کرے گا نہ یہ کہ ان سے کہے گا کہ ہاں ایسا کرو۔

رسالہ علامہ شرنبلالی پھر ردالمحتار میں ہے:

"لیس المراد انہ جائز، نامرھم بہ بل بمعنی نترکھم ومایدینون فھو من جملۃ المعاصی التی یقرون علیھا کشرب الخمر ونحوہ، ولانقول ان ذٰلک جائز لھم فلایحل للسلطان ولا للقاضی ان یقول لھم افعلوا ذٰلک ولا ان یعینھم علیہ"۔

ترجمہ: جائز سے یہ مراد نہیں کہ ہم اس کا امر کرتے ہیں بلکہ معنٰی یہ ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑتے ہیں پس یہ ان کے ان معاصی سے ہے جن پر وہ قائم رہتے ہیں مثلاً شراب پینا وغیرہ، اور یہ نہیں کہتے کہ انکو جائز ہیں تو بادشاہ اور قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ انہیں کہے تم یہ کام کرو اور نہ یہ کہ وہ ان کی مدد کریں۔ (ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۷۲)

(فتاوی رضویہ، کتاب السیر، جلد14، صفحہ 137،138، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

شارح بخاری **مفتی شریف الحق امجدی** علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ

"اگر کوئی مسلم مکھیایا معزز شخص مندر بنوانے۔۔۔کی اجازت سیاسی مفاد یا ذاتی اغراض کیلئے دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"مندر بنوانے کی اجازت۔۔۔۔دینا بھی کفر ہے کہ یہ بھی رضا بالکفر ہے، ان لوگوں کو پہلے سمجھایا جائے اور توبہ کرایا جائے اور انہیں دوبارہ کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا جائے ان کی بیویوں سے دوبارہ ان کا نکاح کرایا جائے، اگر مان جائیں فبہا ورنہ ان سے میل جول، سلام، کلام بند کر دیا جائے۔ اگر اسی حال میں مر جائیں تو ان کے کفن و دفن اور جنازہ میں شرکت حرام و گناہ بلکہ منجر الی الکفر ہے۔

(فتاوی شارح بخاری، جلد2، صفحہ 626، مکتبہ برکات اہلسنت: کراچی)

اور فرماتے ہیں: "مندر کی تعمیر کیلئے چندہ دینا حرام قطعی و گناہ عظیم ہے۔ بلکہ منجر الی الکفر (کفر کی طرف لے جانے والا) ہے۔

اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

"نقد یا جنس دینا حرام سخت حرام بلکہ منجر الی الکفر ہے دینے والے پر توبہ فرض ہے۔

(فتاوی شارح بخاری، جلد2، صفحہ 574، مکتبہ برکات اہلسنت: کراچی)

3:- امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مندر ماوائے شیاطین (شیطانوں کا ٹھکانہ) ہے۔ اس میں مسلمانوں کو جانا منع ہے۔"

ردالمحتار میں ہے:

"فی التتارخانیة یکرہ للمسلم الدخول فی البیعة والکنیسة حیث انه مجمع الشیاطین قال فی البحر الظاهر انها تحریمة لانها المرادة عند اطلاقهم اه فاذا حرم الدخول فالصلٰوة اولی"۔

فتاوٰی تاتارخانیہ میں ہے کسی مسلمانوں کو یہودیوں، عیسائیوں کے گرجوں میں جانا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ شیطانوں کے جمع ہونے کے مکانات ہیں، بحر الرائق میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ یہاں کراہت سے کراہتِ تحریمی مراد ہے کیونکہ اطلاق کے وقت یہی مراد ہوا کرتی ہے اھ جب وہاں جانا حرام ہے تو پھر نماز پڑھنا بدرجہ اولٰی حرام ہے۔ (ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴)

(فتاوی رضویہ، جلد 21، صفحہ 272، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

4:- اللہ رب العزت کا فرمان عالیشان ہے: "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"

ترجمہ: پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ (پ3، اٰل عمرٰن:19)

اور فرماتا ہے: "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

(پ6، سورۃ المائدہ، آیت 3)

اور فرمایا: "هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ"

ترجمہ: یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کا نور بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو مکمل کئے بغیر نہ مانے گا اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

اور ارشاد فرمایا: "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلٰمِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ"

ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (پارہ 3، سورۃ آل عمران، آیت 85)

اللہ تعالیٰ نے واضح طور قرآن پاک میں کئی جگہ فرمادیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے اور اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اِس زمانے میں معتبر نہیں۔ اسلام کے علاوہ کوئی کسی دین کی اخلاقی باتوں پر جتنا چاہے عمل کرلے جب تک مکمل طور پر بطورِ عقیدہ اسلام کو اختیار نہیں کرے گا اس کا کوئی عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں۔

اور اس امت کی فضلیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ"

ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب (بھی) ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا، ان میں کچھ مسلمان ہیں اور ان کی اکثریت نافرمان ہیں۔ (پارہ 4، سورۃ آل عمران، آیت 110)

یہودیوں میں سے مالک بن صیف اور وہب بن یہودا نے حضرت عبد اللہ بن مسعود وغیرہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے کہا کہ ”ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر خازن، سورۃ آل عمران، تحت الآیۃ: ۱۱۰، ۱/۲۸۷)

اور اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو تمام امتوں سے افضل قرار دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے روایت ہے، حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

”مجھے وہ کچھ عطا کیا گیا جو کسی اور نبی کو عطا نہیں کیا گیا۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، وہ کیا ہے؟

ارشاد فرمایا ”رُعب کے ساتھ میری مدد کی گئی، مجھے زمین کی کنجیاں عطا کی گئیں، میرا نام احمد رکھا گیا، میرے لئے مٹی کو پاکیزہ کرنے والی بنا دیا گیا اور میری امت کو بہترین امت بنا دیا گیا۔ (مسند امام احمد: ومن مسند علی بن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 211، حدیث: 763)

اور فرمایا: "هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ"

ترجمہ: اس رب نے تمہارا نام مسلم رکھا۔ (پ 17، الحج: 78)

اور فرمایا: "لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ"

ترجمہ: بہانے نہ بناؤ تم ایمان ظاہر کرنے کے بعد کافر ہو چکے۔ اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کر دیں تو دوسروں کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں۔ (پارہ10، سورۃ التوبہ، آیت66)

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی جانب سے پیش کردہ عذر و حیلہ قبول نہ کیا اور ان کے لئے یہ فرمایا کہ بہانے نہ بناؤ تم ایمان ظاہر کرنے کے بعد کافر ہو چکے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان ایسی چیز نہیں کہ جو دنیا میں کبھی کسی سے ختم ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے ایمان کا ذکر فرمایا پھر ان کا ایمان ختم ہو جانے کا ذکر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مسلمان ہونے کے بعد کوئی کافر ہو سکتا ہے۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"انھوں نے اللہ واحد قہار جل جلالہ اور اس کے رسول حبیب مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا دی ابلیس لعین کے قدموں پر اس کی پیروی کی نام اسلام کو ذلیل کیا کفر و کفار کو فروغ دیا غضب الٰہی اپنے سر پر لیا اپنی ملعونہ حرکات سے عرش الٰہی کو لرزا دیا کفار کے ساتھ ان کے خاص دفتر میں اپنا چہرہ دکھایا اللہ اور رسولوں اور ملائکہ سب کی لعنت کے کام کئے" **هم للكفر يومئذ اقرب منهم اللايمان** " (وہ لوگ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔) میں صراحۃ داخل ہوئے ان پر ہر فرض سے اعظم فرض ہے کہ اپنی ان کفری حرکات سے علی الاعلان توبہ کریں نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں پھر اپنی عورتوں کو رکھنا ہو تو ان سے دوبارہ نکاح کریں۔

الجواب صحیح — **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

17 ذو القعدہ الحرام 1441ھ 9 جولائی 2020

قریشی، صدیقی اور فاروقی کو زکوۃ دے سکتے ہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ سادات کرام کی طرح قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والے لوگ بالخصوص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد جو صدیقی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد جو فاروقی کہلاتے ہیں انہیں بھی زکوۃ نہیں دے سکتے؟

بینوا وتوجروا — سائل: محمد عامر (یونان)

الجواب

زکوۃ و فطرہ اور دیگر صدقات واجبہ ہاشمی اور سادات کرام کو نہیں دے سکتے، ہاں! صدقات نافلہ بطور نذرانہ پیش کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ ہر قبیلہ و فرد جو مستحق ہو اسے زکوۃ و فطرہ و دیگر صدقات واجبہ دے سکتے ہیں، ہاشمی سے مراد حضرت عبد المطلب کے بیٹے حضرت عباس و حارث اور پوتے حضرت مولیٰ علی و حضرت جعفر و عقیل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اولادیں ہیں، جبکہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ الکریم کی جو اولاد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہیں ان کو اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد کو سید کہا جاتا ہے۔ یاد رہے! ہر سید ہاشمی ضرور ہے مگر ہر ہاشمی سید ہو یہ ضروری نہیں۔ امیر المؤمنین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اگرچہ قبیلہ قریش کی مقدس ترین ہستیاں ہیں لیکن ہاشمی ہر گز نہیں لہذا ان کی اولاد کو دیگر صدقات واجبہ کی طرح زکوۃ و فطرہ دینا بھی بالکل جائز ہے جبکہ وہ مستحق ہوں، ورنہ نہیں۔ اب اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لاتحل لمحمد ولا لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم،،

ترجمہ: یہ صدقات لوگوں کے (اموال کے) میل ہی ہیں اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی آل کیلئے حلال نہیں۔

(صحیح مسلم، جلد1، کتاب الزکوۃ، صفحہ 403، حدیث 2482، مطبوعہ لاہور)

اس پر اس نام سے باب باندھا گیا ہے:

"باب تحریم الزکوۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وھم بنو ھاشم وبنو المطلب دون غیرھم،،

(یعنی رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم اورآپ کی آل پر زکوۃ کا حرام ہونا نہ کہ ان کے علاوہ پر اورآپ کی آل بنوہاشم وبنوعبد المطلب ہیں)

امام مسلم علیہ الرحمہ کے اس باب سے ثابت ہوا کہ بنوہاشم وبنوعبد المطلب بھی آلِ محمد ہیں۔

امام بغوی تفسیر بغوی المروف بہ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں:

"قال زید بن ارقم اھل البیت من حرم الصدقۃ بعدہ آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس،،

یعنی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت وہ سب لوگ ہیں جن پر صدقہ کامال لینا حرام کر دیا گیا۔ یعنی اولاد علی، اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس، اوراولاد حارث بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(تفسیر معالم التنزیل، جلد5، سورۃ الاحزاب، آیت 33، صفحہ 138، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"تصرف الزکوۃ الی اولاد کل اذا کانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس وحارث واولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقیل"

ترجمہ: زکوۃ ہر ایک کی اولاد کو دے سکتے ہیں جبکہ وہ مسلمان فقراء ہوں سوائے آل عباس وآل حارث اورآل علی وآل جعفر وآل عقیل کے۔

(ردالمحتار علی درمختار، جلد3، صفحہ 350، مطبوعہ: لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"زکوۃ سادات کرام وسائر (تمام) بنی ہاشم پر حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے آئمہ ثلاثہ بلکہ آئمہ مذاہب اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کا اجماع قائم۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''المیزان الکبریٰ،، میں فرماتے ہیں:

"اتفق الائمۃ الاربعۃ علیٰ تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ھاشم وبنی عبد المطلب وھم خمس بطون آل علی وآل العباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبد المطلب ھذا من مسائل الاجماع والاتفاق اھ (ملخصا)،،

ترجمہ: اس پر بھی اتفاق ہے کہ فرض صدقہ بنوہاشم اور بنوعبد المطلب کو لینا حرام ہے اور وہ پانچ شاخہائے قبیلہ ہیں (1) اولاد علی (2) آل عباس (3) اولاد جعفر (4) اولاد عقیل (5) آل حارث بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے۔ (ملخصًا)

(فتاوی رضویہ، جلد10، کتاب الزکوۃ، صفحہ 99۔ رضافاؤنڈیشن لاہور)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"بنی ہاشم کو زکوۃ نہیں دے سکتے، نہ غیر انہیں دے سکے، نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو۔بنی ہاشم حضرت علی و جعفر و عقیل اور حضرت عباس و حارث بن عبد المطلب کی اولادیں ہیں۔ان کے علاوہ جنہوں نے نبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی اعانت نہ کی مثلاً ابو لہب کہ اگرچہ یہ کافر بھی حضرت عبد المطلب کا بیٹا تھا مگر اسکی اولادیں بنی ہاشم میں شمار نہ ہوں گی"۔

(بہارِ شریعت، جلد1، حصہ،5، زکاۃ کا بیان، صفحہ 931، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

الجواب صحیح	واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	14 ذوالحجۃ الحرام 1441ھ 4 اگست 2020

کیا امہات المؤمنین پر عدت واجب تھی، اگر نہیں تو کیوں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن پر عدت وفات واجب تھی؟

سائل: عبد اللہ

الجواب

امت کیلئے حکم شرعی یہ ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد بیوہ پر 4 ماہ 10 دن عدت گزارنا واجب ہے کیونکہ امتی کی وفات سے اس کا نکاح ختم ہو جاتا ہے جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے کہ ان کی خدمت اقدس میں موت صرف وعدہ الہیہ "کل نفس ذائقة الموت" (ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے) کے تحت ایک آن ولمحہ کیلئے حاضر ہوتی ہے اور پھر انہیں اسی حقیقی و دنیاوی وجسمانی زندگی کیساتھ زندہ فرما یا دیا جاتا ہے، اوران کی ظاہری وفات سے ان کا نکاح ختم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے اور نمازیں پڑھتے ہیں، اور جو زندہ ہو اس کی بیوی نہ بیوہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی عدت، اور آیت کریمہ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً" (تم میں سے جو بیویاں چھوڑ کر مریں) میں خطاب امت سے ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ سے۔لہذا بالعموم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص امام الانبیاء ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج پاک امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو بعد وفات اقدس نہ کسی دوسرے سے نکاح کرنے کی اجازت تھی اور نہ ہی ان پر شرعاً عدت لازم تھی۔

نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کے اَجسام کھانا، زمین پر حرام کر دیا ہے۔

(المسند"، للإمام أحمد بن حنبل، ج۵، ص ۴۶۳، الحدیث: ۱۶۱۶۲)

(المستدرک "للحاکم، کتاب الجمعۃ، الحدیث: ۱۰۶۸، ص ۵۶۹)

(سنن ابن ماجہ"، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، الحدیث: ۱۶۳۷، ج ۲، ص ۲۹۱)

(سنن أبي داود"، کتاب الصلاۃ، باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ، الحدیث: ۱۰۴۶، ج ۱، ص ۳۹۱)

(سنن النسائي"، کتاب الجمعۃ، باب إکثار الصلاۃ علی النبي صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ، الحدیث: ۱۳۷۱، ص ۲۳۷)

اور سنن ابن ماجہ اور مشکوۃ المصابیح میں اس حدیث پاک میں یہ الفاظ زائد ہیں: **"فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ"**

ترجمہ: تو اللہ (عزوجل) کے نبی زندہ ہیں، روزی دیے جاتے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ۱/ ۲۶۵، الحدیث: ۱۳۶۶)

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، الحدیث: ۱۶۳۷، ج ۲، ص ۲۹۱)

دوسری صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:- **"الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون"**۔

یعنی انبیاء کرام علیھم السلام اپنے مزارات طیبہ میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔

(مجمع الزوائد باب ذکر الانبیاء علیھم السلام دار الکتاب بیروت ۸/ ۲۱۱)

(مسند ابی یعلیٰ حدیث ۳۴۱۲ مؤسسۃ علوم القران بیروت ۳/ ۳۷۹)

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **"مراقی الفلاح"** میں ہے:

"ومما هو مقرر عندالمحققين انه صلى الله عليه وسلم حى يرزق ممتع بجميع الملاذ و العبادات غير انه حجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات"۔

ترجمہ: محققین علماء کے نزدیک جو تسلیم شدہ عقیدہ ہے وہ یہ کہ بیشک نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں، جمیع عبادات ولذات والی اشیاء سے لذت حاصل کرتے ہیں، لیکن جو بلند رتبہ کو نہیں پہنچ سکے آپ ﷺ ان کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

(نور الایضاح مع مراقی الفلاح، کتاب الحج، فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم، ص ۳۸۰)

حضرت **شیخ عبد الحق محدث دہلوی** (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی کتاب تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں:

"مقام نبوت و رسالت بعد از موت ثابت است وخود انبیاء را موت نبود وایشاں حی و باقی اند وموت ہماں است کہ یکبار چشیدہ اند بعد ازاں ارواح را بہ ابدان ایشاں اعادہ کنند وحقیقت حیات بخشند چنانچہ در دنیا بودند کامل تر از حیات شہدا کہ آں معنوی است۔

یعنی کمالِ نبوت ورسالت مرنے کے بعد بھی ثابت رہتا ہے اور خود نبی لوگ مرتے نہیں وہ لوگ زندہ اور باقی ہیں ان کے لیے موت بس اتنی ہے کہ ایک بار چکھا اور پھر اس کے بعد ان کی روحیں ان کے بدن میں واپس کر دی گئیں اور ان کو وہی اصل زندگی دے دی گئی جیسی کہ دنیا میں تھی یہ ان کی زندگی شہیدوں کی زندگی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ (تکمیل الایمان، صدور کبائر از انبیاء جائز نیست، ص ۱۲۲)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حیاتِ انبیاء علیھم الصلوۃ والثناء کا منکر گمراہ بددین ہے۔۔۔ انبیاء علیھم الصلوۃ والسلام سب بحیاتِ حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 29، صفحہ 111، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

چنانچہ علامہ ابن حجر قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ** میں فرماتے ہیں:

"وقیل: انما حرمن لانہ علیہ السلام حی فی قبرہ، ولھذا حکی الماوردی انہ لایجب علیھن عدۃ الوفاۃ"

ترجمہ: ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اسی لئے امام ماوردی نے نقل فرمایا کہ ان پر عدت وفات بھی واجب نہیں تھی۔

(المواہب اللدنیہ، الفصل الرابع، ما اختص بہ من الفضائل والکرامات، جلد 7، صفحہ 264، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

اور اس کی شرح میں علامہ عبد الباقی زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"(وقيل انما حرمن ,لانه عليه السلام حی فی قبره)ويكون حاله عندصاحب ذاالقيل كالنائم ,وهذامقابل قوله تكرمة له خصوصية ,لانه يفيدانقطاع نكاحه بموته ,وهذايفيدانه لم ينقطع,(ولهذا حكى الماوردى)وجهاللشافعية (انه لايجب عليهم عده الوفاة)لحياته ومثله يقال فی غيره من الانبياء على قياسه,وذكر الخطابی عن ابن عيينة انهن فی معنى المعتدات فلهن سكنى البيوت ماعش ولا يملكن رقابها"

ترجمہ: ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور آپ قیلولہ کرنے کی حالت میں تشریف فرما ہیں جیسے کوئی سونے والا شخص ہوتا ہے اور یہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خصوصیت ہے کیونکہ موت نکاح کے منقطع ہونے کا فائدہ دیتی ہے جبکہ نیند یہ فائدہ دیتی ہے کہ نکاح منقطع نہیں ہوا۔(جب نکاح ہی منقطع نہیں ہوا تو عدت کیسی؟) اسی وجہ سے امام ماوردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بیشک ان پر عدت وفات واجب نہیں اور یہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حیات (یعنی زندہ) ہونے کی وجہ سے ہے، اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام (کی ازواج) کی عدت کے بارے میں بھی اسی پر قیاس کرتے کہا گیا (کہ ان پر بھی عدت نہیں ہے) (شرح زرقانی علی المواہب، الفصل الرابع ما اختص بہ من الفضائل والکرامات، جلد 7، صفحہ 264، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

حکیم الامت **مفتی احمد یار خان نعیمی** رحمۃ اللہ تعالیٰ آیت کریمہ "والذين يتوفون منكم ويذرون ازوجاً"(ترجمہ: تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں) تحت فرماتے ہیں:

"**منکم**" میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار کے یہ احکام نہیں نیز یہ احکام نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے (بھی) نہیں، (یعنی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ازواج پاک کیلئے عدت واجب نہیں کہ یہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خصوصیت ہے،) (کیونکہ) حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات شریف کے بعد ان کی ازواج پاک کسی سے کبھی نکاح نہیں کر سکتیں، کیوں کریں؟ کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (تو) حیات النبی ہیں، رب فرماتا ہے:

"ولاتنكحواازواجه من بعده ابداً" نہ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں، وہ بیویاں احترام میں ماؤں سے بڑھ کر ہیں، مگر احکام میں مائیں نہیں، اسی لئے ان سے پردہ فرض، ان کی اولاد سے امت کا نکاح درست، ان کی میراث امت کو نہیں ملتی۔

(تفسیر نعیمی، پارہ 2، تحت الآیۃ 234، مکتبہ اسلامیہ: لاہور)

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

21 ذوالحجۃ الحرام 1441ھ 12 اگست 2020

لڑکی کا والدین کی اجازت کے بغیر نکاح ہوجائے گا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا کہ اس کے بارے میں دلائل موجود ہیں جبکہ بکر کہتا ہے کہ والدین وولی کی اجازت کے بغیر کیا جانے والا نکاح بھی منعقد ہے۔ ان میں کس کا مؤقف درست ہے؟

سائل: مولانا محمد آفتاب الازہری صاحب، UK

الجواب

زید و بکر دونوں کو اس مسئلہ میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ زید کا یہ کہنا کہ والدین کی اجازت کے بغیر نکاح سرے سے ہوتا ہی نہیں یہ درست نہیں اسی طرح بکر کا یہ کہنا کہ والدین کی اجازت کے بغیر ہر صورت میں نکاح ہو جاتا ہے یہ بھی درست نہیں۔ احناف کے نزدیک درست مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت اپنے ولی و سرپرست کی اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص سے نکاح کرے جو شرعاً اس کا کُفوٗ بن سکتا ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن اگر عورت نے غیر کفوٗ سے نکاح کیا تو نکاح نہیں ہو گا۔

شرعاً غیر کفو کا معنی یہ ہے کہ لڑکا مذھب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اس کیساتھ لڑکی کا نکاح اس کے اولیاء (سرپرستوں) کیلئے واقعتاً باعث ننگ و عار (شرمندگی کا باعث) ہو۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

فرمان باری تعالیٰ ہے: "حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ"۔

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔ (پارہ،2 سورۃ البقرۃ، آیت:230)

اس آیت کریمہ کے تحت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ میں فرماتے ہیں: **"ھھنا۔۔۔اضافتہ الی امراۃ"**

ترجمہ: یہاں نکاح کرنے کی اضافت و نسبت عورت کی طرف ہے۔ (کیونکہ "تنکح" واحد مؤنث کا صیغہ ہے)

(تفسیرات احمدیہ، صفحہ 131، مطبوعہ: کراچی)

اور اس سے اگلے صفحہ پر فرماتے ہیں: **"فی قولہ تعالیٰ "تنکح" دلیل علیٰ ان النکاح ینعقد بعبارۃ النساء صرح بہ فی مدارک"**

ترجمہ: آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "تنکح" (وہ عورت نکاح کرے) میں اس بات کی دلیل ہے کہ "نکاح" عورتوں کی عبارت سے بھی ہو جاتا ہے۔ (یعنی عورت خود ولی کے بغیر ایجاب و قبول کرلے تو نکاح ہو جائے گا، تفسیر مدارک میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔

(تفسیرات احمدیہ، صفحہ 132، مطبوعہ: کراچی)

آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اگر ہر صورت میں عورت کے نکاح کرنے سے نکاح نہ ہوتا تو یہ نہ فرمایا جاتا کہ عورت نکاح کرے بلکہ یہ فرمایا جاتا کہ اس کا ولی نکاح کرے۔ جب اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے یہ واضح ہو گیا کہ نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے نہ کہ اس کے ولی کی طرف۔ لہذا اگر عورت بغیر اجازتِ ولی بذات خود کسی کفوٗ سے نکاح کر لیتی ہے تو وہ منعقد ہو جائے گا کیونکہ اگر وہ منعقد ہوتا ہی نہیں تو عورت کی طرف نکاح کی اضافت و نسبت کرنا درست نہیں رہے گا۔

صحیح مسلم وغیرہا میں صحیح سند کیساتھ ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الایم احق بنفسھا من ولیھا، رواہ الائمۃ مالک و احمد و مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجۃ و غیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما"

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بالغ لڑکی اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنے بارے میں فیصلہ کی زیادہ حقدار ہے، اس کو امام احمد، مالک، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و غیر ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(صحیح مسلم کتاب النکاح، جلد2، حدیث:1037، مطبوعہ: لاہور)

(سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، فصل فی الثیب، جلد1، حدیث:1421، مطبوعہ:لاہور)

جامع ترمذی میں سندِ حسن کیساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"ان رسول اللہ ﷺ قال:ایماامراۃ نکحت نفسھابغیراذن ولیھافنکاحھاباطل فنکاحھاباطل فنکاحھاباطل۔۔۔اخرجہ الشافعی واحمدوابوداؤدوحسنہ ابن ماجۃوابوعوانۃوالطحاوی والحاکم وابن حبان"۔

ترجمہ:رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:جو بھی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے،اس کا نکاح باطل شمار ہوگا،اس کا نکاح باطل شمار ہوگا،اس کا نکاح باطل شمار ہوگا۔ (جامع ترمذی،کتاب النکاح،باب:لانکاح الابالولی،جلد1،صفحہ336،حدیث:1065،مطبوعہ:لاہور)

آیت کریمہ،اس کی تفسیر اور صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ سے بظاہر جامع ترمذی کی حدیث متعارض (ٹکراتی) محسوس ہوتی ہے،اسی وجہ سے عموماً بعض لوگ ان میں ایک حدیث کو لیتے ہیں اور دوسری کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ فقہ حنفی کا یہ خاصہ ہے کہ ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ دونوں احادیث میں اس طرح مطابقت وموافقت پیدا کی جائے کہ دونوں پر عمل ہوسکے،اگر مطابقت کی کوئی صورت نہ رہے تو قوی دلیل پر عمل کیا جاتا ہے۔

اولاً: فقہاء احناف نے ان دونوں احادیث میں مطابقت قائم فرمائی ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنی حقدار ہے۔لہٰذا اگر وہ بغیر اجازت ولی اپنا نکاح ایسے شخص سے کرتی ہے جو اس کا شرعاً کفوء ہوسکتا ہے تو اس کا اپنے حق کو استعمال کرنے کی بناء پر نکاح منعقد ہوجائے گا،جبکہ جامع ترمذی شریف کی حدیث پاک کا تقاضا یہ ہے کہ عورت بغیر ولی کی اجازت،غیر کفوٗ سے نکاح کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔بلکہ باطل قرار پائے گا۔اس طرح چونکہ دونوں احادیث پر عمل ممکن ہے لہٰذا احناف دونوں پر ہی عمل کرتے ہیں،کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔

ثانیاً: اگر کسی حدیث کو ترک کرنا لازم ہوجائے تو ہم قوی حدیث پر عمل کریں گے اور چونکہ صحیح مسلم کی حدیث سنداً صحیح ہے جبکہ جامع ترمذی کی حدیث سنداً صحیح نہیں بلکہ حسن ہے اور اسی طرح کی دیگر احادیث یا حسن ہیں یا ضعیف،اس صورت میں بھی صحیح مسلم کی حدیث پر ہی عمل کرنا لازم ہوگا جیسا کہ علماء احناف کا عمل ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ویترجح ھذابقوۃالسندوالاتفاق علی صحتہ،بخلاف الحدیثین الاولین فانھماضعیفان اوحسنان،ویجمع بالتخصیص،اوبان النفی للکمال"

ترجمہ:اس (یعنی صحیح مسلم کی) حدیث کو سند کے قوی ہونے کے سبب ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس کے صحیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔برخلاف پہلی دونوں (یعنی جامع ترمذی اور اسکے موافق) حدیثوں کے کہ وہ دونوں یا تو ضعیف ہیں یا حسن،یا ان احادیث میں تخصیص کرکے مطابقت پیدا کی جائے گی (تاکہ دونوں پر عمل ہوجائے)،یا (جامع ترمذی کی حدیث کو) نفیِ کمال پر محمول کیا جائے گا۔

(ردالمحتار مع درمختار،کتاب النکاح،باب الولی،جلد4،صفحہ155،مطبوعہ:لاہور)

اسی بناء پر علماء احناف نے فرمایا کہ کفوٗ سے نکاح ہوجائے گا جبکہ غیر کفوٗ سے نہیں ہوگا جیسا کہ

در مختار مع شامی میں ہے:

"نفذنکاح حرۃمکلفۃبلارضی ولی ویفتی فی غیر الکفوبعدم جوازہ اصلاًوھو المختار للفتوی لفسادالزمان"۔

ترجمہ:عاقلہ بالغہ حرہ عورت کا اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر بھی جائز ہے، اور غیر کفو میں کیا تو بالکل ناجائز ہونے کا فتوی دیا جائے گا اور فسادزمانہ کی وجہ سے فتوی دینے کیلئے یہی مختار قول ہے۔

(در مختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی، جلد4، صفحہ155۔۔تا۔۔157، مطبوعہ:لاہور)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"کفو کے یہ معنی کہ اس کی قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشے میں بہ نسبت خاندانِ دختر (لڑکی کے خاندان) کے کوئی ایسا قصور (کمی) و عیب نہ ہو جس کے سبب اولیائے دختر (لڑکی کے سرپرستوں) کو عار (شرمندگی) لاحق ہو نہ ایسا محتاج ہو کہ اگر یہ دختر (لڑکی) بالفعل قابل جماع (صحبت کے قابل) ہے تو نفقہ (اخراجات) نہیں دے سکتا یا کسی قدر (حَق) مہر کُل یا بعض ازروئے (کسی) شرط یا حسب رواج (کی وجہ سے) معجل (نقد دینا لازم) ہے تو فی الحال اس کے ادا (یعنی بیوی کو دینے) پر قادر نہیں۔

تنویر میں ہے: **"تعتبر (یعنی الکفاءۃ) نسباو حریۃ واسلاماو دیانہ و مالا و حرفۃ"**

ترجمہ: کفو ہونے میں نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور حرفت کا اعتبار ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد11، کتاب النکاح، باب الولی، صفحہ523، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم و أحکم

کتبہ:ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنه

10ربیع الآخر1441ھ 25نومبر2020

نفلی روزہ رکھ کر توڑدیا تو؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس کی قضا کرنی ہو گی؟

سائل:مولانا محمد آفتاب الازہری صاحب۔Uk

الجواب

جی ہاں! نفلی روزہ شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا شرعاً واجب ہو جاتا ہے، اگر قصداً (جان بوجھ کر) توڑا یا کوئی عارضہ لاحق ہونے کے سبب ٹوٹ گیا۔ مثلاً عورت کو حیض آ گیا، اس کی قضاء واجب ہو گی۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"(لزم نفل شرع فیہ قصدا) کمافی الصلاۃ۔۔۔ای یجب اتمامہ، فان فسدولو بعروض حیض فی الاصح وجب القضاء"

ترجمہ: نفل روزہ قصداً شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے جیسے نماز (شروع کرنے سے مکمل کرنا واجب ہو جاتی ہے) اگر توڑے گا تو قضا واجب ہو گی۔ اگرچہ عورت کو حیض آنے کے سبب خود بخود ٹوٹ جائے۔

(در مختار مع رد المحتار"، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، جلد3، صفحہ412، 411، مطبوعہ: کراچی)

(ولو بعروض حیض) تحت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لا فرق فی وجوب القضاء بین ما اذا افسد قصدا، ولا خلاف او بلا قصد"۔

ترجمہ: چاہے قصداً (جان بوجھ کر) روزہ توڑے یا بلا قصد (بغیر ارادے کے ٹوٹ جائے) قضا واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ (دونوں صورتوں میں قضاء واجب ہوگی۔) (رد المحتار"، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، جلد3، صفحہ: 412، مطبوعہ: کراچی)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولا قضاء الا عن وجوب وافساد النفل بعد الشروع"۔

ترجمہ: وجوب کے سوا کسی کی قضا نہیں، نفلی روزہ شروع کر کے توڑ دینے سے قضاء واجب ہو جاتی ہے۔

(فتاوی رضویہ۔کتاب الصوم، جلد10، صفحہ356، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح	واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	10 ربیع الآخر 1441ھ 25 نومبر 2020

سجدہ سہو کرنا بھول گیا تو؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر نماز میں سجدہ سہو کرنا تھا لیکن بھول گیا اور سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

سائل: محمد اویس

الجواب

جس پر سجدۂ سہو واجب ہو اور بھول کر سلام پھیر دے تو صرف سلام پھیرنے سے نماز سے باہر نہ ہو گا یہاں تک کہ سجدۂ سہو کر لے، لہٰذا جب تک بات چیت نہ کی یا مسجد سے باہر نہیں نکلا اگرچہ چہرہ قبلہ شریف سے پھیر لیا ہو یا اور کوئی فعل مُنافی نماز (نماز کے خلاف) نہیں کیا تو سابقہ جگہ پر جا کر یا مسجد کے کسی بھی حصے میں سجدہ سہو کرے اور دوبارہ التحیات پڑھ کر نماز مکمل کر دے۔ اور اگر سجدہ سہو نہ کیا یہاں تک کہ کوئی مُنافی نماز عمل کر لیا یا مسجد سے باہر نکل گیا تو اب سجدہ سہو نہیں کر سکتا بلکہ نماز کو لوٹانا واجب ہے یا سجدہ سہو واجب ہونا یاد تھا پھر بھی جان بوجھ کر نماز ختم کرنے کے ارادے سے سلام پھیر دیا تو سلام پھیرتے ہی نماز سے باہر ہو گیا، اور سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود نہ کرنے کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ (دوبارہ پڑھنا واجب) ہو گئی۔

در مختار میں ہے:

"(ویسجد للسہو ولو مع سلامہ)۔۔(للقطع)۔۔(مالم یتحول عن القبلة او یتکلم) لبطلان التحریمة، ولو نسی السہو او سجدة صلبیة او تلاویة یلزمه ذالک مادام فی المسجد"۔

ترجمہ: سجدۂ نماز یا سجدۂ تلاوت باقی تھا یا سجدۂ سہو کرنا تھا اور بھول کر سلام پھیرا تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہوا کر لے۔

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

"قیدبالسھو لانہ لوسلم ذاکراان علیہ سجدۃ تلاوۃ اوقراۃ التشھدالاخیرسقطت عنہ،لان سلامہ عمدفیخرجہ من الصلاۃ،ولاتفسدصلاتہ لانہ لم یبق علیہ رکن من ارکان الصلاۃ،بل تکون ناقصۃ لترک الواجب۔۔۔۔قولہ:(مادام فی المسجد)ای وان تحول عن القبلۃ استحساناً،لان المسجد کلہ فی حکم واحد۔۔۔۔۔فی البدائع من ان السجود لایسقط بالسلام ولوعمدا،الااذافعل فعلایمنعہ من البناءبان تکلم اوقھقھۃ اواحدث عمدااوخرج من المسجداوصرف وجھہ عن القبلۃوھوذاکرلہ،لانہ فات محلہ وھوتحریمۃ الصلاۃفسقط ضرورۃفوات محلہ۔اھ فتامل۔

ترجمہ:مصنف نے یہاں سجدے کوسہو کیساتھ مقید کیاکیونکہ اگرسجدہ تلاوت یاقعدہ اخیرہ میں تشہدپڑھنا یاد ہونے کے باوجود سلام پھیر دیاتو سجدہ سہو ساقط ہو گیا،کیونکہ جان بوجھ کر سلام پھیرنا اس کو نماز سے نکال دے گا،البتہ نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ نماز کے ارکان میں سے کوئی بھی رکن باقی نہیں رہابلکہ واجب کوترک کرنے کی وجہ سے نماز ناقص ہوگئی۔اور مصنف کایہ کہناکہ "جب تک مسجد میں موجود ہو"(سجدہ سہو کرلے)یعنی اگرچہ قبلہ سے پھرچکاہو استحساناً(تب بھی سجدہ سہو کرے گا)کیونکہ مسجد تمام کی تمام ایک ہی مکان کے حکم میں ہے۔۔۔۔بدائع الصنائع میں ہے کہ(فقط)سلام پھیرنے کی وجہ سے سجدہ سہو ساقط نہیں ہوتا اگرچہ عمداً سلام پھیرے۔سوائے اس کے کہ اس نے کوئی ایسا فعل کیاجومانع بناء(یعنی نماز کی بناء کے خلاف ہو)مثلاً گفتگو کی یاقہقہہ لگاکرہنسا یا جان بوجھ کر وضوتوڑ دیایا مسجد سے باہر نکل گیایاسجدہ سہو یاد ہونے کے باوجود قبلہ سے پھرگیا(توسجدہ ساقط ہوجائے گا)کیونکہ سجدہ سہو کا محل ہی فوت ہوگیااوروہ نماز کی تحریم تھی۔لہذا محل فوت ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو کی ضرورت بھی ساقط ہوگئی۔(لہذااب سجدہ سہو نہیں کرسکتابلکہ نماز کااعادہ ہی کرناہوگا)

(درالمختار مع ردالمحتار:کتاب الصلاۃ،باب سجود السھو،جلد2،صفحہ 559،558،مطبوعہ:کراچی)

تبیین الحقائق میں ہے:

"سلام من علیہ السھو لایخرجہ من الصلاۃاصلاًلان السجود وجب لجبر النقصان فلابدان یکون فی احرام الصلاۃلیتحقق الجبر"۔

یعنی جس پر سجدہ سہولازم ہولیکن سلام پھیر دے تو نماز سے نہیں نکلے گاکیونکہ سجدہ سہو(واجب کے ترک کی وجہ سے ہونے والی)کمی پوراکرنے کیلئے واجب ہواہے تونماز کی تحریمہ کاباقی ہوناضروری ہے تاکہ کمی پوری ہوسکے۔

(تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق:کتاب الصلاۃ،باب سجود السھو،صفحہ 198،مطبوعہ:ملتان)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے: "انہ یاتی بہ قبل ان یتکلم ویخرج من المسجد،وان یمشی وانحرف عن القبلۃ"۔

یعنی گفتگو کرنے اور مسجد سے نکلنے سے پہلے سجدہ سہو کرلے اگرچہ چلنا یاقبلہ سے پھرنا بھی پایا گیاہو۔

(البنایہ شرح الھدایہ،کتاب الصلاۃ،باب سجود السھو،جلد2،صفحہ 629،دارالکتب العلمیہ:بیروت)

درر شرح غرر میں ہے: "الاصل ان یسجدقبل ان یتکلم اویخرج وان مشی اوانحرف عن القبلۃ"۔

یعنی اصول اس میں یہ ہے کہ گفتگو کرنے یامسجد سے نکلنے سے پہلے سجدہ سہو کرلے اگرچہ چلنایاقبلہ سے پھرنا بھی پایا گیاہو۔

(الدررالاحکام شرح غررالاحکام،کتاب الصلاۃ،باب سجود السھو،صفحہ 154،مطبوعہ:کراچی)

تحفۃ الفقہاء میں ہے:

"فکل فعل مناف للصلاۃ لکن ھو من ضرورات البناء، نحو المشی و الاستقاء وغیر ذلک، لا یفسد الصلاۃ و کل مالم یکن من ضروراتہ، یکون مفسداً"۔

یعنی ہر ایسا فعل جو منافی نماز ہو لیکن نماز کی بناء کیلئے ضروری ہو نماز نہیں توڑتا جیسے چلنا یا پانی کی طلب وغیرہ، اور ہر ایسا فعل جو اس کیلئے ضروری نہ ہو نماز توڑ دیتا ہے۔ (تحفۃ الفقہاء: کتاب الصلاۃ، باب الحدث فی الصلاۃ، صفحہ 219، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

اسی میں ہے: "فان کان منفرداً او اماماً، فان الاولیٰ ان یعود الی مکان صلاتہ ویتم صلاتہ و ان بنی فی موضع الوضوء، جاز"۔

یعنی خواہ امام ہو یا مقتدی ان کیلئے اولیٰ یہ ہے کہ اپنی نماز کی جگہ واپس آئیں اور نماز مکمل کریں اور اگر وضو کی جگہ (یا اس مسجد کے کسی دوسرے حصے میں نماز پڑھ لیں) تو یہ بھی جائز ہے۔ (تحفۃ الفقہاء: کتاب الصلاۃ، باب الحدث فی الصلاۃ، صفحہ 221، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس پر سجدۂ سہو واجب ہے اگر سہو ہونا یاد نہ تھا اور بہ نیت قطع سلام پھیر دیا تو ابھی نماز سے باہر نہ ہوا بشرطیکہ سجدۂ سہو کرلے، لہٰذا جب تک کلام یا حدث عمد، یا مسجد سے خروج یا اور کوئی فعل منافی نماز نہ کیا ہو اسے حکم ہے کہ سجدہ کرلے اور اگر سلام کے بعد سجدۂ سہو نہ کیا تو سلام پھیرنے کے وقت سے نماز سے باہر ہو گیا۔۔۔۔ اور اگر یاد تھا کہ سہو ہوا ہے اور بہ نیت قطع سلام پھیر دیا تو سلام پھیرتے ہی نماز سے باہر ہو گیا اور سجدۂ سہو نہیں کر سکتا، اعادہ کرے"۔

کچھ آگے فرماتے ہیں:

"سجدۂ نماز یا سجدۂ تلاوت باقی تھا یا سجدۂ سہو کرنا تھا اور بھول کر سلام پھیرا تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہوا کرلے"۔

(بہار شریعت، کتاب الصلوۃ، سجدہ سہو کا بیان، جلد 2، حصہ 4، صفحہ 717، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

مجموعۃ قواعد الفقہ میں ہے: "کُلُّ صَلاۃٍ اُدِّیَتْ مَعْ کَرَاھَۃِ التَّحْرِیْمِ تَجِبُ اِعَادَتُھَا"۔

ترجمہ: ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے۔

اس کے تحت فرمایا: سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی لہٰذا اس کا اعادہ واجب ہے۔ (مجموعۃ قواعد الفقہ، صفحہ 100)

بہار شریعت میں ہے: اگر سہواً (یعنی بھولے سے) واجب ترک ہوا اور سجدہ سہو نہ کیا جب بھی (نماز کا) اعادہ واجب ہے۔

(بہار شریعت، کتاب الصلاۃ، سجدہ سہو کا بیان، جلد 2، حصہ 4، صفحہ 708، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح	واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	11 ربیع الآخر 1441ھ 27 نومبر 2020

لنڈے کے کپڑے بغیر دھوئے پہننا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ لَنڈے کے کپڑے بغیر دھوئے پہننا کیسا؟ اور کیا خیر القرون (زمانہ صحابہ و تابعین) میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے؟ سائل: عبد اللہ

الجواب

لنڈے کے کپڑے اکثر بیرون ممالک سے آتے ہیں، جنہیں فُساق وفجار و کفار اور ہر طرح کے لوگ استعمال کرتے ہیں، اور فساق وفجار و کفار عموماً پاکی وناپاکی میں احتیاط نہیں کرتے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ کپڑے دھو کر استعمال کئے جائیں، لیکن اگر بغیر دھوئے پہنے اور ان میں نماز پڑھ لی تو جب تک ان میں نجاست و گندگی کا اثر ظاہر نہ ہو انہیں ناپاک نہیں کہا جائے گا اور نماز بھی بلا کراہت درست ہو جائے گی، ہاں اگر ان میں نجاست کا اثر ظاہر ہو تو یہ ناپاک کہے جائیں گے، اور یاد رہے کہ کپڑے یا دیگر چیزوں میں اصل حکم پاکی ہی کا ہے جب تک کہ ان میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، لہذا محض شکوک وشبہات کی بناء پر بلاوجہ کسی چیز کو کھینچ تان کر ناپاک یا حرام کہنے کی قطعاً اجازت نہیں، اور زمانہ صحابہ سے لیکر ہمیشہ مسلمانوں میں یہ رائج رہا کہ کفار سے مال غنیمت میں کپڑے بھی لیتے اور انہیں پہنتے بھی رہے، لہذا کفار و مشرکین کے کپڑوں کو بلا ثبوت و دلیل ناپاک نہیں کہہ سکتے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ و تابعین سے لیکر ہمیشہ امت مسلمہ اسے استعمال نہ کرتی۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

"الاصل فی الثیاب ھو الطھارۃ،فلاتثبت النجاسۃ بالشک،ولان التوارث جارفیما بین المسلمین بالصلاۃ فی الثیاب المغنومۃ من الکفرۃ قبل الغسل"۔

ترجمہ: (کفار کے) کپڑوں میں بھی اصل حکمِ طہارت (پاک ہونا) ہے، لہذا فقط شک وشبہ کی بناء پر ان کا نجس ہونا ثابت نہ ہوگا اور اس لئے بھی کہ کفار کے کپڑوں کو مال غنیمت میں حاصل ہونے کے بعد دھونے سے پہلے پہننا اور ان میں نماز پڑھنا مسلمانوں میں نسل در نسل رائج ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الطہارۃ، بیان ما ینقض الوضوء، جلد 1، صفحہ 236، مطبوعہ: کوئٹہ)

اور الحدیقۃ الندیۃ میں ہے:

"سراویل الکفرۃ من الیھود والنصاری والمجوس یغلب علی الظن نجاسۃ لانھم لایستنجون من غیر ان یاخذ القلب بذلک فتصح الصلاۃ فیہ لان الاصل الیقین بالطھارۃ،وغالب الظن اذالم یاخذبہ القلب فھوبمنزلۃ الشک،والیقین لایزول بالشک"۔

ترجمہ: یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں وغیرہ کفار کی شلواریں اکثر طور پر ناپاک ہوتی ہیں، کیونکہ وہ استنجاء نہیں کرتے، لیکن جب تک یہ (ناپاکی کا خیال) دل میں نہ جمے تو ان میں نماز جائز ہے، کیونکہ اصل چیز طہارت کا یقین رکھنا ہے، اور جب تک غالب گمان نہ ہو تو وہ شک کے درجے میں ہے، اور یقین شک کے ساتھ ہرگز زائل نہیں ہوتا۔ (الحدیقۃ الندیہ، جلد 2، صفحہ 711، مکتبہ نوریہ رضویہ، پاکستان)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"اصل اشیاء میں طہارت و حلت (حلال ہونا) ہے، جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس میں کوئی ناپاک یا حرام چیز ملی ہے، محض شبہہ پر نجس وناجائز نہیں کہہ سکتے۔۔۔ہاں اگر کچھ شبہہ ڈالنے والی خبر سن کر احتیاط کرے تو بہتر ہے، مگر ناجائز و ممنوع نہیں کہہ سکتے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 21، صفحہ 620، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"تامل کرو! کس قدر معدن بے احتیاطی بلکہ مخزن ہر گونہ گندگی ہیں کفار خصوصاًان کے شراب نوش کے کپڑے علی الخصوص پاجامے کہ وہ ہر گز استنجے کالحاظ رکھیں نہ شراب، پیشاب وغیر ہا نجاسات سے احتراز کریں(یعنی بچیں)، پھر (بھی) علماء حکم دیتے ہیں کہ وہ (کپڑے) پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لے تو صحیح وجائز جب تک تلوث واضح نہ ہو۔

(فتاوی رضویہ، جلد4، صفحہ 490، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمہ سے سوال ہوا:

"انگریزوں کے مستعمل(استعمال شدہ) گرم کوٹ جو بازاروں میں کم قیمت پر فروخت ہوتے ہیں، آیا خرید کر استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟"

تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"کفار کے وضع کے کپڑے پہننا ناجائز، یعنی جو وضع ان کے ساتھ مخصوص ہو، اس سے احتراز (بچنا) لازم، حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: **"ایاکم وزی الاعاجم کما ھو مروی فی صحیح"**

اگر خاص ان کی وضع کے نہ ہوں تو استعمال کر سکتے ہیں، اگرچہ پرانے خریدے گئے ہوں کہ قرن اول میں صحابہ کرام اموال غنیمت میں کفار کے کپڑے بھی لیتے اور انہیں استعمال فرماتے، یوں ہی وہ کپڑے جو ان کی وضع کے ہیں، ان کو کاٹ کر دوسری وضع کے بنالئے جائیں کہ اب وہ کفار کی وضع کے باقی نہ رہیں، تو ان کا استعمال کرنا بھی جائز ہے"۔ (فتاوی امجدیہ، جلد4، صفحہ 61، مکتبہ رضویہ: کراچی)

اور بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

"فاسقوں کے استعمالی کپڑے جن کا نجس ہونا معلوم نہ ہو پاک سمجھے جائیں گے مگر بے نمازی کے پاجامے وغیرہ میں اِختیاط یہی ہے کہ رومالی پاک کرلی جائے کہ اکثر بے نمازی پیشاب کر کے ویسے ہی پاجامہ باندھ لیتے ہیں اور کفّار کے ان کپڑوں کے پاک کر لینے میں تو بہت خیال کرنا چاہیے"۔ (بہار شریعت، جلد1، حصہ 2، نجس چیزوں کو پاک کرنے کا طریقہ، صفحہ 405، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

15 ربیع الثانی 1441ھ 30 نومبر 2020

دوستونوں کے درمیان نماز پڑھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ دوستونوں کے درمیان منفرد (اکیلے شخص) یا مقتدی کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؟

سائل: محمد عاکف (فیصل آباد، پاکستان)

الجواب

باجماعت نماز کے دوران صفوں کو سیدھا کرنے اوران میں بغیر فاصلہ کھڑے ہونے کی احادیث اس کثرت سے اور تاکیدی وارد ہوئیں کہ ان کی بناء پر علماء اسلام نے صفوں کو سیدھا کرنے اورانہیں ملانے کو واجب قرار دیا۔(اوراس کے واجب ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا ہمیشہ اہتمام فرمایاہے اور جس کام پر حضور ﷺ ہمیشگی اختیار فرمائیں وہ واجب ہوتاہے سوائے اس کے کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ ودلیل پائی جائے۔)اور صفوں کو سیدھانہ کرنا یادوآدمیوں کے درمیان بلاعذر شرعی جگہ چھوڑنے کو مکروہ تحریمی وگناہ فرمایا(کیونکہ واجب کاترک مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کاارتکاب گناہ)۔

اورچونکہ شریعت مطہرہ کو جماعت میں جمعیت مقصود ہے لیکن اگر صفوں کو توڑ توڑ کر بنایا جائے توجمعیت فوت ہوجائے گی اور مقصد حاصل نہ ہوگا،اسی وجہ سے علماء اسلام نے ہر ایسے معاملے سے منع فرمایاجوامت کی جمعیت میں انتشار کاباعث ہو،اسی سے دوران جماعت ستونوں کے درمیان صف بنانا بھی ہے کہ مقتدی کامسجد میں جگہ ہونے کے باوجود بلاعذر ستونوں کے درمیان کھڑے ہوکر نمازادا کرنامکروہ تحریمی وگناہ ہے کہ اس میں قطعِ صف (صف کو کاٹنا)ہے جس سے احادیث میں منع فرمایا گیااور صفوں کوملانے کابار بار تاکیدی حکم فرمایا گیا یہاں تک حکم فرمایاکہ اگر اگلی صف میں جگہ موجود ہونے کے باوجود پیچھے صفیں بنادی گئیں توبعد میں آنے والے کو حکم ہے کہ وہ ان صفوں کو چیرتاہوا جائے اوراس خالی جگہ کو پُر کرے اوراس پر مغفرت کی بشارت دی گئی۔

لہٰذا اوّلاً تو مقتدیوں کو خود ہی خوب صفوں میں مل کر اور سیدھی صفیں بنانے کا اہتمام کرناچاہئے،اورجب تک اگلی صفیں مکمل نہ ہوجائیں پیچھے نئی صف شروع نہیں کرنی چاہئے اورنہ ہی ستونوں کے مابین صفیں بنائی جائیں،اوراس کے ساتھ ساتھ امام صاحبان کو بھی اس کابہت زیادہ اہتمام کرناچاہئے،اور جماعت سے پہلے باقاعدہ اس کا علان کریں،بلکہ وقتاً فوقتاً صفوں کی درستی وتکمیل کی اہمیت سے عوام الناس کو خوب آگاہی فراہم کرتے رہیں۔

البتہ اگر عذر ہو جیسے مسجد مکمل بھرچکی اور نماز پڑھنے کی اس کے علاوہ اور کوئی جگہ باقی نہ رہی یاباہر بارش وآندھی وغیرہ ہو یاجگہ کی تنگی وغیرہ کے باعث ستونوں کے درمیان کھڑے ہوکر نماز پڑھیں تواس میں حرج نہیں۔

اوراکیلے شخص کاستونوں کے درمیان کھڑے ہوکر نمازادا کرنابلاکراہت جائزہے کہ جن وجوہات (یعنی قطع صف وغیرہ)کی بناء پر ستونوں کے درمیان صف بندی سے منع فرمایاگیاوہ یہاں موجود نہیں۔بلکہ خود حضور سید عالم ﷺ کا بغیر جماعت کے اکیلے کعبۃ اللہ شریف کے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا بھی ثابت ہے۔اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

امام مسلم جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی،کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

"الاتصفون کماتصف الملائکۃعندربھا؟فقلنا:یارسول اللہ ﷺ وکیف تصف الملائکۃ عندربھا؟فقال:یتمون الصفوف الاول،ویتراصون فی الصف"

ترجمہ:کیوں نہیں اس طرح صف باندھتے ہو جیسے ملائکہ اپنے ربّ کے حضور باندھتے ہیں،عرض کی، یارسول اللہ ﷺ کس طرح ملائکہ اپنے ربّ کے حضور صف باندھتے ہیں؟فرمایا:"اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صف میں مِل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم"،کتاب الصلاۃ،باب الأمر،بالسکون في الصلاۃ...إلخ،جلد1،الحدیث:119،صفحہ203،مطبوعہ:بیروت)

سنن نسائی میں ہے فرماتے ہیں ﷺ:

"راصّوا صفوفکم وقاربوا بینھا وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاری الشیاطین تدخل من خلل الصف کانھا الخذف"۔

ترجمہ: اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں شیاطین کو دیکھتا ہوں کہ صف کے درمیانی فاصلہ (Gap) سے داخل ہوتے ہیں جیسے بھیڑ کے بچے۔

(سنن النسائی: کتاب الامامۃ، باب حث الامام علی رص الصفوف الخ، جلد 3، صفحہ 265، حدیث: 827، مطبوعہ: دار التاصیل)

امام حاکم ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، حضور ﷺ فرماتے ہیں:

"ان اللہ وملائکۃ یصلون علی الذین یصلون الصفوف۔ ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ"

ترجمہ: اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو صفیں ملاتے ہیں۔" حاکم نے کہا، یہ حدیث بشرط مُسلِم صحیح ہے۔

(المستدرک "للحاکم، کتاب الإمامۃ... إلخ، باب من وصل صفاً وصلہ اللہ، الحدیث: 775، جلد 1، صفحہ 334، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

امام ابن ماجہ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، کہ فرماتے ہیں ﷺ:

"ان اللہ وملائکۃ یصلون علی الذین یصلون الصفوف ومن سد فرجۃ رفعہ اللہ بھا درجۃ"

ترجمہ: اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو صفیں ملاتے ہیں جو کشادگی (Gap) کو بند کرے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔ (سنن ابن ماجہ"، کتاب إقامۃ الصلاۃ... إلخ، باب اقامۃ الصفوف، الحدیث: 995، جلد 1، صفحہ 318، مطبوعہ: دار احیاء الکتب العربیہ)

المستدرک علی الصحیحین میں ہے، فرماتے ہیں ﷺ:

"من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ۔ رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنھما وھو من تتمۃ حدیثہ الصحیح المذکور سابقا عند احمد وابی داؤد والثلثۃ الذین معھما۔

ترجمہ: جو کسی صف کو وصل کرے (ملائے) اللہ اسے وصل کرے اور جو کسی صف کو قطع کرے (کاٹے) اللہ اسے قطع کر دے۔ اسے نسائی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، یہ عبد اللہ ابن عمر کی حدیث اس حدیث صحیح مذکور سابقہ کا تتمہ ہے جسے امام احمد اور ابو داؤد اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین: جلد 1، کتاب الامامۃ والجماعۃ، حدیث: 774، صفحہ 333، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اقیموا صفوفکم، فانی اراکم من وراء ظھری، کان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ"۔

ترجمہ: اپنی صفیں قائم کرو، بیشک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، ہم میں سے ہر ایک اپنے کاندھے کو دوسرے کے کاندھے سے ملاتا تھا۔

(صحیح البخاری: کتاب الاذان، باب الزاق المنکب بالمنکب۔۔ الخ، جلد 1، صفحہ 180، حدیث 725، دار ابن کثیر، دمشق، بیروت)

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

وینبغی للقوم اذاقاموا الی الصلاۃ ان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم فی الصفوف، ولاباس ان یامرھم الامام بذلک۔ وفی فتح القدیر: وروی ابو داؤد والامام احمد عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال ﷺ: اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدیکم اخوانکم لاتذروا فرجات للشیطان، من وصل صفاً وصلہ اللہ ومن قطع صفاً قطعہ اللہ"۔

ترجمہ: قوم کو چاہئے کہ جب نماز کیلئے صفوں میں کھڑے ہوں تو خوب مل کر کھڑے ہوں اور درمیانی فاصلہ پُر کریں اور اپنے کندھے خوب برابر کریں، اور اگر امام اس کا حکم دے تو بھی کوئی حرج نہیں، اور فتح القدیر میں ہے: امام ابو داؤد و امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صفیں قائم کرو اور کندھوں کو برابر کرو، اور درمیانی فاصلہ پُر کرو، اور اپنے بھائیوں کیلئے نرم ہو جاؤ، اور شیاطین کیلئے جگہ چھوڑنے سے بچو۔

(بحر الرائق، شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 618، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

(رواہ النسائی، کتاب الاقامۃ، باب 82، المؤطا، فی کتاب الجمعۃ، حدیث 8، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 262)

در مختار میں ہے: "وینبغی ان یامرھم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم"۔

یعنی امام کو چاہئے کہ لوگوں کو حکم دے کہ وہ خوب مل کر کھڑے ہوں، درمیانی فاصلہ پُر کریں اور اپنے کندھے ایک سیدھ میں کر کے برابر کریں۔ (در مختار: کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 2 صفحہ 310، دار عالم الکتب: ریاض)

در مختار میں ہے: "ولو کان فرجۃ فللداخل ان یمر علی رقبۃ من لم یسدھا، لانہ اسقط حرمۃ نفسہ"۔

ترجمہ: اگلی صف میں جگہ تھی، اسے خالی چھوڑ کر پیچھے کھڑا ہوا تو آنے والا شخص اس کی گردن پھلانگتا ہوا جا سکتا ہے، کہ اس نے اپنی حُرمت اپنے آپ کھوئی۔ (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، جلد 2، صفحہ 401 دار عالم الکتب: ریاض)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری (شروع) نہ کریں اس کا شرع مطہرہ کو وہ اہتمام ہے کہ اگر کوئی صف ناقص چھوڑے مثلاً ایک آدمی کی جگہ اس میں کہیں باقی تھی اسے بغیر پورا کئے پیچھے اور صفیں باندھ لیں، بعد کو ایک شخص آیا اس نے اگلی صف میں نقصان پایا تو اسے حکم ہے کہ ان صفوں کو چیرتا ہوا جاکر وہاں کھڑا ہو اور اس نقصان کو پورا کرے کہ انہوں نے مخالفت حکم شرع کر کے خود اپنی حرمت ساقط کی جو اس طرح صف پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے مغفرت فرمائے گا"۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ، جلد 7، صفحہ 221، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پہلی صف میں جگہ ہو اور پچھلی صف بھر گئی ہو تو اس کو چیر کر جائے اور اس خالی جگہ میں کھڑا ہو۔ اور یہ وہاں ہے، جہاں فتنہ و فساد کا احتمال نہ ہو۔ (بہار شریعت: کتاب الصلاۃ، جماعت کا بیان، جلد 1، حصہ 3، صفحہ 587،586، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

بحر الرائق میں ہے:

"التقدم واجب علی الامام للمواظبۃ من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وترک الواجب موجب لکراھۃ التحریم المقتضیۃ للاثم"۔

ترجمہ: امام کا مقدم ہونا واجب ہے کیونکہ اسی پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی اور واجب کا ترک کراہت تحریمی کا موجب ہے جو گناہ کا مقتضی ہے۔ (بحر الرائق شرح کنز الدقائق: کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 614، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جس (کام) پر حضور سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیشہ مواظبت فرمائی (وہ واجب ہے کیونکہ) مواظبت دائمہ دلیل وجوب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی، اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 7، صفحہ 41، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"یونہی اس رخنہ بندی (صفوں میں فاصلہ) کے لئے پچھلی صف کے نمازیوں کے آگے گزرنا جائز ہے کہ انہوں نے خود اس امر عظیم میں بے پروائی کرکے جس کا شرع میں اس درجہ اہتمام تھا اپنی حرمت ساقط کر دی۔

ثم اقول و باللہ التوفیق: یہ احکام فقہ وحدیث باعلٰی ندا منادی کہ وصل صفوف اور ان کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترک فرجہ ممنوع وناجائز، یہاں تک کہ اس کے دفع کو نمازی کے سامنے گزر جانے کی اجازت ہوئی جس کی بابت حدیثوں میں سخت نہی وارد تھی سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: "لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیر الہ من ان یمر بین یدیہ"۔

ترجمہ: اگر نمازی کے سامنے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس برس کھڑا رہنا اس گزر جانے سے اس کے حق میں بہتر تھا۔

(صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ: باب اثم المار بین یدی المصلی، جلد 1، صفحہ 134، 133، حدیث: 510، دار ابن کثیر: دمشق، بیروت)

ظاہر ہے کہ ایسا شدید امر جس پر یہ تشدیدیں اور سخت تہدیدیں ہیں اسی وقت روا رکھا گیا ہے جب دوسرا اس سے زیادہ اشد اور افسد تھا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں)

ایک دلیل اس وجوب اور فرجہ رکھنے کی کراہت تحریمی پر یہ ہے۔

دلیل دوم احادیث کثیرہ میں صیغہ امر کا وارد ہونا کما سمعت و ما ترکت لیس باقل مما سردت (جیسا کہ تو نے سن لیا اور جن روایات کو میں نے ترک کر دیا ہے وہ بیان کردہ سے کم نہیں ہیں۔) اس لئے ذخیرہ وحلیہ میں فرمایا:

"لانہ مامور بالمراصّۃ۔ قال علیہ الصلاۃ والسلام: تراصوا فی الصفوف" (کیونکہ مل کر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔)

(رد المحتار بحوالہ حلیہ عن الذخیرۃ باب الامامۃ، جلد 2، صفحہ 312، دار عالم الکتب: ریاض)

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الامامۃ والجماعۃ، جلد 1، صفحہ 217، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

فتح القدیر و بحر الرائق وغیرہما میں فرمایا: "سد الفرجات المأمور بہا فی الصف، و الاحادیث فی ہذا کثیرۃ و شہیرۃ"۔

ترجمہ: صف کے درمیانی رخنہ کو پر کرنے کا حکم ہے۔ اور اس بارے میں بہت زیادہ احادیث مشہور ہیں۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق: کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 619، دار لکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

اور اصول میں مبرہن ہو چکا ہے امر مفید وجوب ہے الا ان یصرف عنہ صارف (مگر اس صورت میں جب اس کے خلاف کوئی قرینہ ہو۔)

دلیل سوم علماء تصریح فرماتے ہیں کہ صف میں جگہ چھوٹی ہو تو اور مقام پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

در مختار میں ہے:

"ولو صلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنہ مکانا کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ"۔

ترجمہ: اگر کسی نے رفوف مسجد میں نماز ادا کی حالانکہ صحن مسجد میں جگہ تھی تو مکروہ ہوگی جیسا کہ ایسی صف میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جو ایسی صف کے پیچھے ہو جس میں رخنہ تھا۔ (در مختار، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، جلد 2، صفحہ 312، دار عالم الکتب: ریاض)

اور کراہت مطلقہ سے مراد کراہت تحریم ہوتی ہے، **الا اذا دل دلیل علی خلافہ کما نص علیہ فی الفتح والبحر وحواشی الدر وغیرھما من تصانیف الکرام الغر۔** مگر جب اس کے خلاف دلیل موجود ہو جیسا کہ فتح، بحر، حواشی در اور دیگر تصانیف علماء عظام میں تصریح ہے۔

دلیل چہارم احادیث سابقہ میں حدیث رابع کے وعید شدید **من قطع صفا قطعہ اللہ** (جس نے صف قطع کی اللہ اسے قطع کرے گا۔) علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی زیر عبارت مذکورہ در مختار فرماتے ہیں:

"قولہ کقیامہ فی صف الخ ھل الکراھۃ فیہ تنزیھیۃ او تحریمیۃ ویرشد الی الثانی قولہ علیہ الصلوۃ والسلام من قطع صفا قطعہ اللہ انتھی فافھم"۔

قولہ جیسا کہ کھڑا ہونا اس صف میں الخ اس میں کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد **من قطع اللہ الخ** کراہت تحریمی کی طرف راہنمائی کرتا ہے **انتھی فافھم۔**

(ردالمختار: کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: جلد 2، صفحہ 312 دار عالم الکتب: ریاض)

ثانیاً ہر صف میں اول سے آخر تک دوسری صف کے لئے صف کامل کی جگہ بچنا واجب ہے۔

ثالثاً کسی صف میں فرجہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، جب تک اگلی صف پوری نہ کرلیں صف دیگر ہرگز نہ باندھیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 47 تا 51، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"دربارہ صفوف شرعاً تین باتیں بتاکید اکید مامور بہ ہیں اور تینوں آج کل معاذ اللہ کالمتروک ہورہی ہیں، یہی باعث ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔

اول تسویہ کہ صف برابر ہو خم نہ ہو کج نہ ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں سب کی گردنیں شانے ٹخنے آپس میں محاذی۔

سوم: تراصّ یعنی خوب مل کر کھڑا ہونا کہ شانہ سے شانہ چھلے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: **"صفا کانھم بنیان مرصوص"۔**

ایسی صف کہ گویا وہ دیوار ہے رانگا پلائی ہوئی۔ (القرآن، سورۃ 61، آیت: 4)

رانگ پگھلا کر ڈال دیں تو سب درزیں بھر جاتی ہیں کہیں رخنہ فرجہ نہیں رہتا، ایسی صف باندھنے والوں کو مولی سبحٰنہ وتعالٰی دوست رکھتا ہے اس کے حکم کی حدیثیں اوپر گزریں، یہ بھی اسی اتمام صفوف کے متممات سے اور تینوں امر شرعاً واجب ہیں **کماحققناہ فی فتاوٰنا و کثیر من الناس عنہ غافلون** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی خوب تحقیق کی ہے اور بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں)

(فتاوی رضویہ، جلد7، صفحہ 220۔ تا۔ 224، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

سنن ابنِ ماجہ میں ہے:

عن معویۃ بن قرۃ عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کنا ننھی ان نصف بین السواری علی عھد رسول اللہ ﷺ ونطرد عنھا طردا"۔

قرہ بن ایاس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہمیں دوستونوں کے بیچ صف باندھنے سے منع فرمایا جاتا اور وہاں سے دھکے دے کر ہٹائے جاتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب الصلوۃ بین السواری فی الصف، جلد1، صفحہ 176، حدیث:1002، مطبوعہ: لاہور)

شروح سنن ابن ماجہ میں اس حدیث پاک کے جزء (کنا ننھی۔۔۔الخ) کے تحت ہے:

"لعل سبب النھی انہ موجب للفرقۃ و الجماعۃ سبب الجمعیۃ وھذا اذا کان المکان واسعاً و اما اذا ضاق المکان و ازدحم الناس فلابد من الصفوف بین السواری۔۔۔

قال فی "العینی" و "الفتح" اذا کان منفرداً لاباس بالصلاۃ بین الساریتین بخلاف الجماعۃ لان ذالک یقطع الصفوف و تسویۃ الصفوف فی الجماعۃ مطلوبۃ (مرقاۃ)۔۔۔

وقال السندی: و النھی عنہ لقطع السواری الصف"

ترجمہ: شاید اس ممانعت کا سبب فرقت (جماعت کو منتشر کرنا) ہے حالانکہ جماعت توجمیعت کا سبب ہے، اور یہ (ممانعت کا حکم) اس وقت ہے جب جگہ میں گنجائش ہو (پھر بھی ستونوں کے درمیان صف بنائی جائے)، بہر حال جب جگہ تنگ ہو اور لوگوں کا رش بہت زیادہ ہو تو ستونوں کے درمیان صف بنا سکتے ہیں۔

علامہ عینی نے شرح عینی اور امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا:

اکیلے شخص کا ستونون کے درمیان نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بر خلاف جماعت کے، کیونکہ جماعت کی صورت میں قطع صف ہو گا حالانکہ صفوں کو برابر کرنا جماعت میں مطلوب ہے۔

اور علامہ سندھی فرماتے ہیں:

اور اس (دوستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے) ممانعت کی وجہ ستون کا صف کو (دو حصوں میں) کاٹ دینا ہے۔

(شروح سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب الصلوۃ بین السواری فی الصف، جلد1، صفحہ 423، مطبوعہ: بیت الافکار الدولیۃ، بیروت)

جامع ترمذی و سنن نسائی و صحیح حاکم میں ہے:

"عن عبدالحمید بن محمود قال صلینا خلف امیر من الامراء فاضطرَنا الناسُ صلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالک رضی اللہ عنہ کنا نتقی ھذا علی عھد رسول اللہ ﷺ وفی الباب عن قرۃ ابن ایاس المزنی حدیث انس حسن صحیح، وقد کرہ قوم من اھل العلم ان یصف بین السواری وبہ یقول احمد و اسحاق۔

ترجمہ: عبدالحمید بن محمود فرماتے ہیں: ہم نے ایک امیر کے پیچھے نماز پڑھی لوگوں نے ہمیں مجبور کیا تو ہمیں دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنی پڑی۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو انس بن مالک نے فرمایا ہم زمانہ اقدس حضور سید عالم ﷺ میں اس سے بچتے تھے۔(امام ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) اس بارے میں قرہ بن ایاس مزنی سے حدیث انس حسن صحیح ہے۔ تحقیق اہل علم میں سے بہت سے علماء ستونوں کے درمیان صف بنانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ یہی مؤقف امام احمد بن حنبل و امام اسحاق کا بھی ہے۔

(جامع الترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراہیۃ الصف بین السواری، جلد1، صفحہ156، حدیث219، مطبوعہ: لاہور)

(سنن نسائی: کتاب الامامۃ والجماعۃ، باب الصف بین السواری، جلد1، صفحہ145، حدیث:821، مطبوعہ: لاہور)

(المستدرک للحاکم: ومن کتابہ الامامۃ وصلاۃ الجماعۃ، جلد1، صفحہ329، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

اور سنن ابو داؤد و مسند احمد میں ہے:

"عن الحمیدبن محمود، قال صلیت مع انس بن مالک، یوم الجمعۃ فدفعناالی السواری، فتقدمناوتاخرنا، فقال انس: کنانتقی ھذاعلی عھدرسول اللہ ﷺ"۔

ترجمہ: عبدالحمید بن محمود سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک کیساتھ جمعہ کے دن نماز پڑھی تو ہمیں ستونوں کے درمیان دھکیل دیا گیا، پس ہم آگے پیچھے ہو گئے، تو حضرت انس نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس سے بچتے تھے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب الصفوف بین السواری، جلد1، صفحہ107، حدیث:673، مطبوعہ: لاہور)

(مسند للامام احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک، جلد19، صفحہ346، موسسۃ الرسالہ: بیروت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں قبیل "باب الصلوٰۃ الی الراحلۃ" سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: "لاتصفوا بین الاساطین واتموا الصفوف"۔

یعنی ستونوں کے بیچ میں صف نہ باندھو اور صفیں پوری کرو۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری: کتاب الصلوۃ، باب الصلوٰۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد4، صفحہ741، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

صحیح بخاری میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: دخل النبی البیت و اسامۃ بن زید و عثمان بن طلحۃ و بلال، فاطال ثم خرج، کنت اول الناس دخل علی اثرہ، فسالت بلالاً: این صلی؟ قال: بین العمودین المقدمین"

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ، اسامہ بن زید، عثمان بن طلحہ اور بلال رضی اللہ عنھم خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے، آپ اندر کافی دیر تک رہے اور پھر باہر تشریف لے آئے، میں سب سے پہلے آپ کے پیچھے آیا اور حضرت بلال سے دریافت کیا، نبی کریم ﷺ نے کہاں نماز ادا کی؟ انہوں نے جواب دیا: آگے والے دو ستونوں کے درمیان۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 138، حدیث:504، مطبوعہ: لاہور)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا: **"باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ"۔**

یعنی جماعت کے علاوہ ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کا باب۔

(صحیح البخاری: کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد 1، صفحہ 138، مطبوعہ: لاہور)

علامہ محمود عینی کہ اجلہ ائمہ حنفیہ سے ہیں اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قید بغیر جماعۃ لان ذلک یقطع الصفوف و تسویۃ الصفوف فی الجماعۃ مطلوبۃ بعینہ"۔

یعنی بغیر جماعت کی قید اس لئے ہے کہ یہ (نمازی کا دو ستونوں کے درمیان ٹھہرنا) صفوں کو توڑنا ہے حالانکہ صفوں کا مکمل و برابر ہونا جماعت میں مطلوب ہے۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری: باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد4، صفحہ 417،416، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

اسی طرح فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"انما قید بغیر الجماعۃ لان ذلک یقطع الصفوف، و تسویۃ الصفوف فی الجماعۃ مطلوب،

وقال الرافعی فی شرح المسند: احتج البخاری بھذا الحدیث، ای حدیث ابن عمر عن بلال، علی انہ لا باس بالصلاۃ بین الساریتین اذا لم یکن فی جماعۃ،

قال المحب الطبری: کرہ قوم الصف بین السواری للنھی الوارد عن ذالک، محل الکراھۃ عند عدم الضیق"۔

ترجمہ: امام بخاری نے "**بغیر الجماعۃ**" کی قید لگائی، کیونکہ یہ قطع صف ہوگا، اور جماعت میں صفیں برابر کرنا مطلوب ہے،

اور امام رافعی شرح مسند میں فرماتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث یعنی حضرت ابن عمر عن بلال رضی اللہ عنہما سے اس بات پر دلیل لی کہ جماعت کے علاوہ دونوں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں۔

اور امام محب طبری نے فرمایا:

ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے بہت سے علماء اسے مکروہ فرماتے ہیں، اور کراہت اس وقت ہوگی جب جگہ میں گنجائش ہو۔ (جب تنگی ہو تو کراہت نہیں)

(فتح الباری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد 1، صفحہ 689، دار الریان للتراث: قاہرہ، مصر)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ابن حبیب سے ہے:

"لیس النھی عن تقطیع الصفوف اذا ضاق المسجد و انما نھی عنہ اذ کان المسجد واسعا"۔

جب مسجد (میں جگہ) تنگ ہو تو اس وقت صفوں کو توڑنا منع نہیں، یہ اسوقت منع ہے جب مسجد میں گنجائش ہو۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری: باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد4، صفحہ 417، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

اُسی میں ہے: **"قال مالک فی المدونۃ لا باس بالصلاۃ بینھما لضیق المسجد"** اھ۔

ترجمہ: امام مالک مدوّنہ میں فرماتے ہیں جب مسجد تنگ ہو تو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے میں حرج نہیں اھ۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد4، صفحہ 417، دارالکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بے ضرورت مقتدیوں کا دَر (دروازہ) میں صف قائم کرنا یہ سخت مکروہ کہ باعث قطعِ صف ہے اور قطع صف ناجائز، ہاں اگر کثرتِ جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی دَر میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ یونہی اگر مینہ کے باعث پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو یہ ضرورت ہے۔"**والضرورات تبیح المحظورات**" (سخت ضرورت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے۔ت) رہا اکیلا، اسکے لئے ضرورت، بے ضرورت محراب میں، دَر میں مسجد کے کسی حصہ میں کھڑا ہونا اصلاً کراہت نہیں رکھتا۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب اماکن الصلاۃ، جلد6، صفحہ 131، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے: "**اذ کان منفردا لا باس فی الصلاۃ بین الساریتین اذا لم یکن فی جماعۃ**"۔

جب تنہا نماز ادا کر رہا ہو تو دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کرنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جماعت میں نہ ہو۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، جلد4، صفحہ 415، دارالکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اس بیان سے واضح ہوا کہ زید و عمر دونوں کے کلام میں دو دو غلطیاں ہیں زید نے دَر (دروازہ) میں نماز ناجائز بتائی یہ زیادت ہے (شرعی مسئلہ میں حد سے بڑھنا ہے حالانکہ یہ) ناجائز نہیں، ہاں امام کو مکروہ ہے۔ یونہی منفرد کو اس حکم میں شریک کرنا ٹھیک نہیں، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ معظمہ تشریف لے گئے، دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی۔ **کما فی ثبت فی الصحاح عن ابن عمر عن بلال رضی اللہ تعالٰی عنھم**۔ جیسا کہ صحاح میں حضرت ابن عمر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنھم سے روایت کیا ہے۔

عمرو کا امام کو دَر (دروازہ) میں کھڑا ہونا بلا کراہت جائز ماننا صحیح نہیں، یونہی منفرد کا محراب میں قیام مکروہ جاننا کہ یہاں جو وجوہِ کراہت علماء نے لکھے ہیں یعنی شبہ اختلاف مکان امام و جماعت یا اشتباہ حال یا تشبہ اہل کتاب ان میں سے کوئی وجہ منفرد کے لئے متحقق نہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد6، باب اماکن الصلوۃ، صفحہ 133 تا 136، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح | **واللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري | **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

18 ربیع الآخر 1441ھ 4 دسمبر 2020

کسی کا مشہور عیب پیٹھ پیچھے بیان کرنا غیبت ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کسی کے مشہور عیب کو پسِ پُشت (پیٹھ پیچھے) بیان کرنا غیبت ہے یا نہیں؟

سائل: محمد عاکف (فیصل آباد، پاکستان)

الجواب

غیبت سے مراد اپنے زندہ یا مردہ مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے پوشیدہ عیوب کو(جن کا دوسروں کے سامنے ظاہر ہونا اُسے ناپسند ہو) اس کی برائی کے طور پر ذکر کیا جائے، اور اگر وہ بات اس میں موجود نہ ہو تو اسے بہتان کہتے ہیں۔ غیبت بہت سخت گناہ ہے یہاں تک کہ اسے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی، جب کسی اجنبی یا زندہ شخص کا گوشت کھانا ہم انتہائی برا سمجھتے ہیں تو اپنے ہی مردہ بھائی کا گوشت کھانا کس قدر سخت ہو گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

جس طرح غیبت کرنا گناہ اسی طرح سننا بھی گناہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص غیبت کرنے والے کو فوراً غیبت کرنے سے منع کر دے تو گناہ گار نہیں، اور اگر منع کرنے پر قادر ہو تو منع کرے یا گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرے، یا اٹھ کر چلا جائے، اور اگر کسی بھی طرح غیبت سننے سے بچنا ممکن نہ ہو تو کم از کم اسے دل میں ضرور بُرا جانے۔

البتہ جس کی بُرائی سے لوگوں کو نقصان پہنچنے کا خَدشہ ہو تو دوسروں کو اُس سے بچانے کیلئے بَقدَرِ ضَرورت صِرف اُسی بُرائی کا تذکِرہ کرنا جائز ہے۔ مَثَلًا جو تاجِر دھوکے سے ملاوٹ والا مال بیچتا ہو اُس سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے اُس کے اُس ناقِص مال کی نشاندہی کرنا۔ اور جو شخص اعلانیہ گناہ کرتا ہو مثلاً چوری، ڈکیتی، دھوکہ دینا، جُوَے کے اڈے چلانا، کھل عام شراب پینا اور داڑھی منڈانا یا ایک مٹھی سے گھٹانا وغیرہ اور ان برائیوں کے ذکر پر ناگواری بھی محسوس نہ کرتا ہو جیسا کہ آج کل بعض لوگ اپنی برائیوں پر چرچا ہونے پر بجائے رنجیدہ ہونے کے فخر محسوس کرتے ہیں تو ان کی صرف اسی برائی کا تذکرہ کرسکتے ہیں، لیکن اس کے دیگر خفیہ عیوب کو بیان کرنے کی اجازت نہیں، یہ بھی اس وقت ہے کہ جب اس برائی کے تذکرے سے لوگوں کو اس کے شر سے بچانا مقصود ہو یا ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا جو اس کی اصلاح کرسکتا ہو جیسے پیر، والدین یا استاذ وغیرہ تو اگرچہ شرعاً یہاں غیبت کی اجازت ہے لیکن بچنا بہتر ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کے اس عیب کو بیان کرنے میں مقصد اپنی دلی بھڑاس نکالنا ہو۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے : "وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِہْتُمُوْہُ"۔

ترجمہ: اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہو گا۔

(پارہ 26، سورۃ الحجرٰت:12)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شبہ المغتاب بآکل لحم اخیہ میتاً اذا ھو اقبح من الاجنبی و من الحی، فکمایحرم لحمہ یحرم عرضہ، قال ﷺ: کل المسلم علی المسلم حرام، دمہ ومالہ وعرضہ" رواہ مسلم وغیرہ"۔

ترجمہ: غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی تشبیہ دی گئی کیونکہ کسی اجنبی یا زندہ شخص سے مردہ بھائی کا گوشت کھانا زیادہ قبیح ہے، پس جیسے مسلمان کا گوشت حرام ہے اسی طرح اس کی عزت بھی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد 9، صفحہ 586، دار عالم الکتب: ریاض)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسولِ اکرم صلي الله عليه وسلم نے دریافت فرمایا:

"اتذرون ماالغیبة؟قالوا:اللہ ورسولہ اعلم،قال:ذکرک اخاک بمایکرہ،قیل:افرایت ان کان فی اخی مااقول؟قال:ان کان فیہ ماتقول فقداغتبتہ،وان لم یکن فیہ فقدبھتہ"۔

ترجمہ:"تمھیں معلوم ہے غیبت کیا چیز ہے؟"لوگوں نے عرض کی:"اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہتر علم ہے۔"ارشاد فرمایا:"غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہو جو اسے بری لگے۔"کسی نے عرض کی:"اگر میرے بھائی میں وہ برائی موجود ہو تو اس کو بھی کیا غیبت کہا جائے گا؟"ارشاد فرمایا:"جو کچھ تم کہتے ہو اگر اس میں موجود ہو جبھی تو غیبت ہے اور اگر تم ایسی بات کہو جو اس میں موجود نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الغیبۃ، جلد2، صفحہ1202، حدیث:2589، دار طیبہ:ریاض)

اُمُّ الْمُؤمِنین حضرتِ سَیِّدَتُنا عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رِوایَت فرماتی ہیں: میں نے نبیِّ کریم، رء ُوفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کی:

"حسبک من صفیة کذاوکذا،قال:غیر مسدد،تعنی قصیرة،فقال:لقدقلت کلمة لومزجت بماء البحر لمزجتہ"

ترجمہ:صَفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ایسی ہیں ایسی ہیں یعنی پَستہ قد ہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ "تم نے ایسا کلمہ کہا(یعنی ایسی بات کہی) کہ اگر سمندر میں ملایا جائے تو اُس پر غالب آجائے۔"

(سُنَنِ ابو داود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، جلد7 صفحہ237 حدیث4875، دار الرسالۃ العالمیہ:دمشق)

یعنی کسی پَست قد کو بھی پَستہ قد، ناٹا، ٹھگنا کہنا غیبت میں داخِل ہے، جبکہ بِلاضَرورت ہو۔اوراگر اس کی شہرت ہی اسی کیساتھ ہو تو حرج نہیں۔چنانچہ رِیاضُ الصّٰلحین"میں ہے:

"فاذاکان الانسان معروفاًبلقب،کالاعمش والاعرج والاصم والاعمی والاحول وغیرھم،جازتعریفھم بذلک،ویحرم اطلاقہ علی جھة التنقص،ولوامکن تعریفہ بغیرذلک،کان اولیٰ"۔

یعنی کوئی شخص اعمش(جس کی نظر کمزور ہو)اَعرَج(لنگڑے)اَصَم(بہرے)،اَعْمٰی(اندھے)،اَحوَل(بھینگے)کے لقب سے مشہور ہے تُو اس کی معرفت وشناخت(یعنی پہچان)کے لیے ان اَوصاف وعلامات کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے مگر تَنقیص(یعنی خامی بیان کرنے)کے ارادے سے ان اَوصاف کے ساتھ تذکرہ جائز نہیں۔ اگر(خامی بھرے)لقب کے بِغیر پہچان ہو سکتی ہو تو بہتر یہ ہے کہ لقب بیان نہ کرے۔ (الفوائد المترعہ شرح رِیاضُ الصّٰلحین لِلنَّوَوی: کتاب الادب: باب مایباح الغیبۃ، جلد6، صفحہ244، ادارۃ العامۃ للاوقاف:قطر)

در مختار میں غیبت کی تعریف اس طرح کی گئی: **"الغیبة ان تصف اخاک حال کونہ غائباًبوصف یکرھہ اذاسمعہ"۔**

ترجمہ:اپنے مسلمان بھائی کو ایسی بات کیساتھ موصوف کرنا جسے وہ سنے تو ناپسند کرے غیبت کہلاتا ہے۔

(در مختار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، جلد9، صفحہ587، دار عالم الکتب:ریاض)

صدرُ الشَّریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ رحمۃ اللہ القوی نے غیبت کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

کسی شخص کے پوشیدہ عیب کو(جن کا دوسروں کے سامنے ظاہر ہونا اُسے ناپسند ہو)اس کی برائی کرنے کے طور پر ذکر کرنا اور اگر اس میں وہ بات ہی نہ ہو تو یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ (بہارِ شریعت: جلد3 حصّہ16، صفحہ532، مکتبۃ المدینہ:کراچی)

ردالمحتار میں ہے:

"ان المستمع لایخرج من اثم الغیبة الابان ینکربلسانه،فان خاف فبقلبه،وان کان قادراًعلی القیام اوقطع الکلام بکلام آخرفلم یفعله لزمه،کذافی الاحیاء"۔

غیبت کاسننا بھی گناہ ہے سوائے اس کے کہ اپنی زبان سے اس پر انکار کرے(یعنی غیبت کرنے والے کوغیبت کرنے سے منع کرے)تواگر(غیبت کرنے والے سے)خوف ہوتواپنے دل میں براجانے،اوراگروہاں سے کھڑے ہوجانے یابات کوموضوع تبدیل کرنے پر قادر ہو پھر بھی نہ کرے(بلکہ چپ چاپ غیبت سنتا رہے تواسے اس کا گناہ)لازم ہے۔اسی طرح احیاء العلوم میں ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9، صفحہ588، دارعالم الکتب:ریاض)

ردالمحتار میں ہے: "وفی تنبیہ الغافلین للفقیہ ابی اللیث:الغیبة علی اربعةاوجه:

فی وجه:ھی کفربان قیل له لاتغتب فیقول لیس ھذاغیبة لانی صادق فیه،فقداستحل ماحرم بالادلة القطعیة،وھو کفر۔

وفی وجه:ھی نفاق:بان من لایسمیه عندیعرفه،فھو مغتاب ویری من نفسه انه متورع فھذاھو النفاق۔

وفی وجه:ھی معصیة:وھوان یغاب معیناویعلم انھامعصیةفعلیه التوبة۔

وفی وجه:ھی مباح:وھوان یغتاب معلنابفسقه اوصاحب بدعة،وان اغتاب الفاسق لیحذره الناس یثاب علیه لانه من النھی عن المنکر۔اھ۔

یعنی فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ غیبت چار4قسم کی ہے:

ایک کفراس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص غیبت کررہاہے اس سے کہاگیاکہ غیبت نہ کرو۔کہنے لگا یہ غیبت نہیں میں سچاہوں،اس شخص نے ایک حرام قطعی کوحلال بتایا۔

دوسری صورت نفاق ہے کہ ایک شخص کی برائی کرتاہے اوراس کانام نہیں لیتامگرجس کے سامنے برائی کرتاہے،وہ اس کوجانتاپہچانتاہے، لہٰذا یہ غیبت کرتاہے اوراپنے کوپرہیزگارظاہرکرتاہے،یہ ایک قسم کانفاق ہے۔

تیسری صورت معصیت ہے وہ یہ کہ غیبت کرتاہے اوریہ جانتاہے کہ یہ حرام کام ہے ایساشخص توبہ کرے۔

چوتھی صورت مباح ہے وہ یہ کہ فاسق معلن یابدمذہب کی برائی بیان کرے،بلکہ جبکہ لوگوں کواس کے شرسے بچانامقصودہوتوثواب ملنے کی امیدہے،کیونکہ یہ برائی سے روکناہے۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، جلد9، صفحہ586، دارعالم الکتب:ریاض)

فرمانِ مصطفٰے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے: "اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروالفاجربمافیه یحذره الناس"۔

ترجمہ:کیافاجرکے ذکرسے بچتے ہواس کولوگ کب پہچانیں گے!فاجرکاذکراس چیزکے ساتھ کروجواس میں ہے تاکہ لوگ اس سے بچیں۔ (نوادرالاصول للترمذی:الاصل السادس والستون والمائۃ فی ذکرالفاجر، جلد2، صفحہ257، دارالجیل:بیروت، لبنان)

اسی حدیث کی بناء پرعلماءاسلام فرماتے ہیں کہ جس کی بُرائی سے نقصان پہنچنے کاخَدشہ ہوتودوسروں کواُس سے بچانے کیلئے بَقدرِضَرورت صِرف اُسی بُرائی کاتذکِرہ مَثَلاًجوتاجِردھوکے سے ملاوٹ والامال بیچتاہواُس سے مسلمانوں کوبچانے کیلئے اُس کے اُس ناقِص مال کی نشاندہی کرنا۔چنانچہ علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

"واذاكان الرجل يصوم ويصلي ويضر الناس بيده ولسانه،فذكره بمافيه ليس بغيبة،حتى لو اخبر السلطان بذلک ليزجره لااثم عليه،وكذالوذكرمساوى اخيه على وجه الاهتمام لايكون غيبة،انماالغيبة ان يذكرعلى وجه الغضب يريدالسب، كماتكون الغيبة باللسان صريحاً تكون ايضاً بالفعل وباالتعريض وبالكتابة وبالحركةوبغمزالعين والاشارة باليد وكل مايفهم منه بالمقصودفهوداخل فی الغيبةوهوحرام"۔

جب کوئی شخص نمازوروزہ بھی کرے اورلوگوں کواپنے ہاتھ یازبان سے نقصان بھی پہنچاتاہوتواس کی اس برائی کوبیان کرناغیبت نہیں، یہاں تک بادشاہ وغیرہ کے سامنے اس کوبیان کرناتاکہ وہ اس کوڈانٹ ڈپٹ کرے گناہ نہیں،اسی طرح اپنے بھائی کے سامنے بطورافسوس اس برائی کاذکرکرنابھی غیبت نہیں،غیبت صرف یہ ہے کہ غصہ نکالنے کیلئے اس کی برائی کوبیان کرنااوراس سے اردہ اس کی برائی کرنے کاہو، جیسے غیبت زبان سے ہوتی ہے اسی طرح فعل، تعریض، تحریر، حرکت، آنکھ اورہاتھ کے اشارے وغیرہ سے بھی ہوتی ہے، بہرحال ہروہ طریقہ جس سے غیبت کرناسمجھاجائے غیبت میں داخل ہے اور حرام ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار: کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، جلد9، صفحہ 585تا587، دارعالم الکتب: ریاض)

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ غیبت کی چند جائز صورتوں کوبیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الاولیٰ:الاستعانة بمن له قدرة على زجرة۔الثانية:ذكره على وجهه الاهتمام۔الثالثه:الاستفتاء قال فی تبيين المحارم بان يقول للمفتي ظلمني فلان كذاوكذاوماطريق الخلاص۔الرابعة:بيان العيب لمن اراد ان يشترى عبداوهوسارق اوزان فيذكره للمشترى،وكذالورای المشترى يعطى البائع دراهم مغشوشةفيقول احترزمنه بكذا۔الخامسة:قصدالتعريف كان يكون معروفاًبلقبه كالاعرج والاعمش والاحول۔السادسة:جرح المجروحين من الرواةوالشهودوالمصنفين فهوجائزبل واجب صوناًللشريعة"۔

(1) جو شخص اس کوڈانٹ ڈپٹ کرنے پر قادر ہواس سے مدد طلب کرنے کیلئے غیبت کرنا۔

(2) اس کی اس برائی کابطورافسوس ذکرکرنا(جبکہ واقعی افسوس ہو،اوراگربظاہر افسوس کرتے ہوئے دل کی بھڑاس نکالنامقصودہوتوہرگزجائزنہیں)

(3) مفتی سے فتوی طلب کرتے ہوئے کہ فلاں مجھ پراس اس طرح ظلم کرتاہے،اس سے خلاصی کاطریقہ کیاہے۔

(4) اس شخص کے سامنے عیب بیان کرناجوکسی غلام کوخریدنے کاارادہ رکھتاہوں حالانکہ وہ غلام چور یازانی ہو،تواسے چاہئے کہ خریدارکواس غلام کایہ عیب بیان کردے۔اسی طرح اگردیکھے کہ خریدار، بیچنے والے کوکھوٹے درہم (جعلی نوٹ) دے رہاہے تواس کوبتائے کہ اس سے بچ کررہ۔

(5) کسی کے مشہورومعروف لقب کوبطورتعریف بیان کرنا(اگرچہ معناً وہ عیب ہو)جیسے اعرج(لنگڑا)اعمش(جس کی بینائی کمزورہو)احول(بھینگا)وغیرہ

(6) محدثین ومصنفین کاحدیث کے راویوں پرجرح کرتے ہوئے ان کے عیوب بیان کرناتاکہ شریعت مطہرہ ان کے شرسے محفوظ رہے ان کے عیب بیان کرناجائزہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، جلد9، صفحہ 586،587، دارعالم الکتب: ریاض)

ردالمحتار میں ہے:

"الذی لایستترعنه ولایؤثرعنده اذاقیل عنه انه یفعل کذا،ابن الشحنة:قال فی تبیین المحارم:فیجوزذکره بمایجاهربه لاغیره،قال ﷺ:من القی جلباب الحیاءعن وجهه فلاغیبةله" واما اذاکان مستترافلاتجوزغیبة"۔اھ۔

یعنی جو شخص اعلانیہ بُرا کام کرتا ہے اور اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ لوگ اسے کیا کہیں گے، اس کی اس بُری حرکت کا بیان کرنا غیبت نہیں، مگر اس کے پوشیدہ عیوب کا ذکر کرنا غیبت میں داخِل ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے حیا کا حجاب اپنے چہرے سے ہٹا دیا، اس کی غیبت نہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، جلد9، صفحہ586، دار عالم الکتب: ریاض)

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

والله تعالی اعلم وعلمه جل مجده أتم وأحکم

کتبه: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنه

6جمادی الاولیٰ 1441ھ 22دسمبر 2020

شکار کب حلال اور کب حرام ہوگا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ شکار کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور شکار کو کھانا کیسا؟ اور کس چیز سے شکار کرنا جائز ہے؟ اور شکار کب حلال ہوگا؟ نیز جانور، تیر اور بندوق وغیرہ سے کئے گئے شکار کے حلال ہونے کیلئے کیا شرائط ہیں؟

سائل: محمد خرم عطاری (انار کلی بازار: لاہور، پاکستان)

الجواب

شکار کرنا ایک جائز عمل ہے مگر حرم شریف یا حج وعمرہ کے احرام کی حالت میں خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے اسی طرح اگر شکار محض لَھو (کھیل کود اور تفریح) کے طور پر ہو تو جائز نہیں۔ ہاں اگر شکار کرنے کا کوئی صحیح مقصد ہو تو جائز ہے مثلاً شکار کرکے کھانا یا بیچنا یا دوست احباب کو تحفۃً دینا یا اُس کے چمڑے کو کام میں لانا یا اُس جانور سے اذیت کا اندیشہ ہے اس لیے قتل کرنا وغیرہ۔ اور اگر کسی سکھائے ہوئے کتے یا پرندے وغیرہ سے شکار کیا مثلاً باز، شکرا وغیرہ کے ذریعے تو شرائط پائے جانے کی صورت میں حلال ہوگا ورنہ حرام۔ نیز بندوق وغیرہ سے کیا گیا شکار اگر زندہ تھا اور اسے ذبح کرلیا گیا تو حلال ہے ورنہ حرام۔ تفصیل وخلاصہ اس باب میں یہ ہے کہ شکار کے حلال ہونے کی کل 15 شرطیں جن کی 3 قسمیں ہیں۔

(1) پانچ شرائط کا تعلق شکار کرنے والے سے ہے:

(1) شکاری ان میں سے ہو جن کا ذبیحہ جائز ہوتا ہے۔ (2) اُس نے کتّے وغیرہ کو شکار پر چھوڑا ہو۔ (3) چھوڑنے میں ایسے شخص کی شرکت نہ ہو جس کا شکار حرام ہو۔ (4) بسم اللہ قصداً ترک نہ کی ہو۔ (5) چھوڑنے اور پکڑنے کے درمیان کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔

(2) پانچ شرائط کا تعلق کتے سے:

(1) کتّا معلَّم (سکھایا ہوا) ہو۔ (2) جدھر چھوڑا گیا ہو اُدھر ہی جائے۔ (3) شکار پکڑنے میں ایسا کتّا شریک نہ ہوا ہو جس کا شکار حرام ہے۔ (4) شکار کو زخمی کرکے قتل کرے۔ (5) اُس میں سے کچھ نہ کھائے۔

(3) پانچ شرائط جن کا تعلق شکار سے۔

(1)شکار حشرات الارض میں سے نہ ہو۔(2)پانی کا جانور ہو تو مچھلی ہی ہو۔(3)وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنے آپ کو شکار سے بچائے۔(4)کیلے (گوشت خور جانوروں کے وہ دونوں بڑے دانت جن کے ذریعے سے وہ گوشت کاٹتے یا شکار پکڑتے ہیں) یا پنجہ والا جانور نہ ہو۔(5)شکاری کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جائے۔یعنی ذبح کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ "۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو تمہارے لیے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو آگے سنایا جائے گا تم کو لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو۔ (پارہ6، المائدہ، آیت:1)

اور فرماتا ہے:"وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا "ؕ۔

ترجمہ: اور جب تم احرام سے باہر ہو جاؤ تو شکار کر سکتے ہو۔ (پارہ6، المائدہ، آیت:2)

اور فرماتا ہے:

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ "۔

ترجمہ: اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہو۔ تم فرمادو کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور جو شکاری جانور تم نے سکھا لیے انہیں شکار پر دوڑاتے جو علم تمہیں خدا نے دیا اس میں اُنہیں سکھاتے تو کھاؤ اس میں سے جو مار کر تمہارے لیے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ (پارہ6، المائدہ، آیت:4)

اور فرماتا ہے: "اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّیَّارَةِ وَ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا"۔

ترجمہ: دریا کا شکار تمہارے لیے حلال ہے اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کو اور تم پر حرام ہے خشکی کا شکار جب تک تم احرام میں ہو۔ (پارہ7، المائدہ، آیت:96)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم نے فرمایا:

''احلہ لان اللہ قد احلہ، قد کانت للہ قبلی رسل کلھم یصطاد (او یطلب الصید)، و ابتغ علی نفسک و عیالک حلالاً، فان ذلک جھاد فی سبیل اللہ، و اعلم ان عون اللہ فی صالح التجار"۔

ترجمہ: شکار کو حلال جانو اس لیے کہ اللہ عزوجل نے اس کو حلال فرمایا مجھ سے پہلے اللہ (عزوجل) کے بہت سے رسول تھے وہ سب شکار کیا کرتے تھے۔ (یا فرمایا: سب شکار طلب کرتے تھے) اپنے لیے اور اپنے بال بچوں کے لیے حلال رزق تلاش کرو اس لیے کہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) صالح تجار کا مددگار ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: جلد8، صفحہ 60،61، الحدیث:7342، مکتبہ ابن تیمیہ: القاھرہ)

صحیح بخاری میں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وسلَّم نے فرمایا:

"اذاارسلت کلبک وسمیت وقتل فکل وان اکل فلاتاکل،فانماامسک علی نفسہ،واذاخالط کلاباًلم یذکراسم اللہ علیھافامسکن فقتلن فلاتاکل،فانک لاتدری ایھاقتل،وان رمیت الصیدفوجدتہ بعدیوم اویومین لیس بہ الااثرسھمک فکل،وان وقع فی الماءفلاتاکل"۔

ترجمہ: جب تم اپنا کتّا چھوڑو تو بسم اللہ کہہ لو اگر اس نے پکڑ لیا اور تم نے جانور کو زندہ پالیا تو ذبح کر لو اور اگر کتّے نے مار ڈالا ہے اور اُس میں سے کچھ کھایا نہیں تو کھاؤ اور اگر کھالیا تو نہ کھاؤ کیونکہ اُس نے اپنے لیے شکار پکڑا اور اگر تمہارے کتّے کے ساتھ دوسرا کتّا شریک ہو گیا اور جانور مر گیا تو نہ کھاؤ کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ کس نے قتل کیا اور جب شکار پر تیر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ لو اور اگر شکار غائب ہو گیا اور ایک دن تک نہ ملا اور اُس میں تمہارے تیر کے سوا کوئی دوسرا نشان نہیں ہے تو اگر چاہو کھاسکتے ہو اور اگر شکار پانی میں ڈوبا ہوا ملا تو نہ کھاؤ۔

(صحیح البخاری"، کتاب الصید إذاغاب...إلخ، باب الصید، جلد1، صفحہ 1357،1356 الحدیث:5484، دارابن کثیر: بیروت، لبنان)

امام بخاری نے عطاء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: **"ان شرب الدم ولم یاکل فکل"۔**

ترجمہ: اگر کتّے نے شکار کا خون پی لیا اور گوشت نہ کھایا تو اُس جانور کو کھاسکتے ہو۔

(صحیح البخاري"، کتاب الذبائح...إلخ، باب اذااکل الکلب، جلد1، صفحہ 1396، الحدیث:5483، دارابن کثیر: بیروت، لبنان)

صحیح بخاری میں ابوثعلبہ خُشَنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

"وماصدت بقوسک فذکرت اسم اللہ فکل،وماصدت بکلبک المعلم فذکرت اسم اللہ فکل،وماصدت بکلبک غیرمعلم فادرکت ذکاتہ فکل"۔

ترجمہ: کمان سے جو تم نے شکار کیا اور بسم اللہ کہہ لی تو کھاؤ اور معلم کتّے سے جو شکار کیا اور بسم اللہ کہہ لی تو کھاؤ اور غیر معلم سے جو شکار کیا ہے اور اُسے ذبح کر لیا تو کھاؤ۔ (صحیح البخاري"، کتاب الذبائح، باب صید القوس، جلد1، صفحہ 1395، الحدیث:5478، دارابن کثیر: بیروت)

کتاب الآثار میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے کہ فرمایا:

"ماامسک علیک کلبک ان کان عالماً، فکل،فان اکل فلاتاکل منہ،فانماامسک علی نفسہ،واماالصقروالبازی،فکل وان اکل،فان تعلیمہ اذادعوتہ ان یجیئک،ولایسطیع ضربہ حتی یدع الاکل"۔

ترجمہ: تمہارے کتّے نے جس چیز کو تمہارے لیے پکڑا ہے اسے کھاؤ اگر وہ سیکھا ہوا ہو پھر اگر اُس کتّے نے اس سے کچھ کھالیا تو نہ کھاؤ اس لیے کہ اس نے اپنے ہی لیے پکڑا ہے، بہر حال شکرہ اور باز نے اگرچہ اس میں سے کچھ کھالیا ہو تب بھی کھاسکتے ہو کیونکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ جب تم اُسے بلاؤ تو آجائے اور وہ تمہاری مار کی برداشت نہیں رکھتا یہاں تک کہ وہ خود کھانا چھوڑ دے۔

(کتاب الآثار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب صید الکلب، الحدیث:823، صفحہ 697، دارالنور: بیروت، لبنان)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی، فرماتے ہیں: **"المقتولۃبالندقۃ:تلک الموقوذۃ"۔**

ترجمہ: غُلہ(۔مٹی کی گولی(چھوٹا ڈھیلا) یا چھوٹا پتھر جسے غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں) مارنے سے جو جانور مر گیا وہ موقوذہ(وہ جانور جس کو لکڑی وغیرہ سے ضرب لگائی جائے اور وہ چوٹ کھا کر مر جائے) ہے۔(یعنی اُس کا کھانا حرام ہے)۔

(صحیح البخاري"، کتاب الذبائح...اِلخ، باب صید المعراض، ج1، صفحہ 1394، دارابن کثیر: بیروت، لبنان)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت حسن بصری اور ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمایا:

"**اذاضرب صیدافبان منہ یداورجل لاتاکل الذی بان،وکل سائرۃ،وقال ابراھیم:اذاضربت عنقہ او وسطہ فکلہ**"۔

ترجمہ: جب شکار کو مارا جائے اور اُس کا ہاتھ یا پیر کٹ کر الگ ہو جائے تو الگ ہونے والے کو نہ کھایا جائے اور باقی کو کھا سکتا ہے ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب گردن یا وسطِ جسم میں (جسم کے درمیان میں) مارو تو کھا سکتے ہو۔(یعنی گردن جدا ہو جائے یا وسط سے کٹ جائے تو اس ٹکڑے کو بھی کھایا جائے گا) (صحیح البخاري"، کتاب الذبائح...اِلخ، باب صید القوس، جلد1، صفحہ 1395، دارابن کثیر: بیروت، لبنان)

امام طبرانی اور حاکم نے زِربن حُبَیش سے روایت کی کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا وہ فرماتے ہیں:

"**ولایحذفن احدکم الارنب بعصاۃ او بحجر فیاکلھا ولیزک لکم الاسل الرماح والنبل، واللفظ الطبرانی**"۔

یعنی خرگوش کو لکڑی یا پتھر سے مار کر (بغیر ذبح کئے) نہ کھاؤ لیکن بھالے (نیزہ) اور برچھی (چھوٹا نیزہ) اور تیر سے مار کر کھاؤ۔ یہ طبرانی کے الفاظ ہیں۔ (المعجم الکبیر"، صفۃ عمر بن الخطاب، الحدیث 51،، جلد1، صفحہ 65، مکتبہ ابن تیمیہ: القاہرہ)

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب مناقب عمر، الحدیث: 4479، جلد3، صفحہ 87، دارکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

فتاوی عالمگیری میں ہے: "**فالصیدھو الحیوان المتوحش الممتنع عن الآدمی، ماکولاکان او غیر ماکول**"۔

یعنی شکار اُس وحشی جانور کو کہتے ہیں جو آدمیوں سے بھاگتا ہو اور بغیر حیلہ نہ پکڑا جا سکتا ہو اور کبھی فعل یعنی اس جانور کے پکڑنے کو بھی شکار کہتے ہیں۔(حرام وحلال دونوں قسم کے جانور کو شکار کہتے ہیں)

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصید، الباب الاول فی تفسیرہ ورکنہ وحکمہ، جلد5، صفحہ 502، دارالکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "**(وھو مباح الا) لمحرم فی غیرہ الحرم او (للتلھی)**"۔

یعنی شکار کرنا ایک مباح فعل ہے مگر حرم یا احرام میں خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے اسی طرح اگر شکار محض لھو کے طور پر ہو تو وہ مباح نہیں۔ (الدرالمختار: کتاب الصّید، جلد10، صفحہ 45،46، دارعالم الکتب: ریاض)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اکثر اس فعل سے مقصود ہی کھیل اور تفریح ہوتی ہے اسی لیے عرف عام میں شکار کھیلنا بولا جاتا ہے جتنا وقت اور پیسہ شکار میں خرچ کیا جاتا ہے اگر اس سے بہت کم داموں میں گھر بیٹھے ان لوگوں کو وہ جانور مل جایا کرے تو ہرگز راضی نہ ہوں گے وہ یہی چاہیں گے کہ جو کچھ ہو ہم تو خود اپنے ہاتھ سے شکار کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصد کھیل اور لھو ہی ہے، شکار کرنا جائز و مباح اُس وقت ہے کہ اس کا صحیح مقصد ہو مثلاً کھانا یا بیچنا یا دوست احباب کو ہدیہ کرنا یا اُس کے چمڑے کو کام میں لانا یا اُس جانور سے اذیت کا اندیشہ ہے اس لیے قتل کرنا وغیرہ ذلک"۔

اور فرماتے ہیں:

"بعض آدمی جنگلی خنزیر کا شکار کرتے ہیں یا شیر وغیرہ کا جنگلوں میں جاکر شکار کرتے ہیں اس غرض سے نہیں کہ لوگوں کو اُن کی اذیت سے بچائیں بلکہ محض تفریح خاطر اور اپنی بہادری کے لیے اس قسم کے شکار کھیلے جاتے ہیں یہ شکار مباح نہیں"۔

(بہار شریعت: شکار کا بیان: جلد3، حصہ 17، صفحہ 680، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فالشرط اقتران التسمیۃ بہ، فلو ترکھا عمداً عند الارسال ثم زجرہ معھا فانزجر لم یؤ کل صیدہ"۔

یعنی شکار پر چھوڑتے وقت قصداً بسم اللہ نہیں پڑھی بلکہ جب کتّے نے جانور پکڑا اس وقت بسم اللہ پڑھی جانور حلال نہ ہوا کہ بسم اللہ پڑھنا اُس وقت ضروری تھا اب پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (ردالمحتار: کتاب الصّید، ج10، صفحہ 51، دار عالم الکتب: ریاض)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"شکار اگر زندہ مل گیا اور ذبح کرنے پر قدرت ہے تو ذبح کرنا ضروری ہے کہ ذکاۃ اضطراری مجبوری کی صورت میں ہے اور یہاں مجبوری نہیں ہے اور اگر جانور اُس کو زندہ ملا مگر یہ اُس کے ذبح پر قدرت نہیں رکھتا ہے کہ وقت تنگ ہے یا ذبح کا آلہ موجود نہیں ہے اس کی دو صورتیں ہیں اگر جانور میں حیاۃ (زندگی، سانس) اتنی باقی ہے جو مذبوح (ذبح کیا ہوا) سے زیادہ ہے تو حرام ہے ورنہ جائز ہے"۔

(بہار شریعت: جانوروں سے شکار سے بیان، جلد3، حصہ 17، صفحہ 687، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"واما حل اکل الصید فانہ یثبت بخمسۃ عشر شرطا خمسۃ فی الصاعد وھو ان یکون من اھل الذکاۃ وان یوجد منہ الارسال وان لا یشارکہ فی الارسال من لا یحل صیدہ وان لا یترک التسمیۃ عامداً وان لا یشتغل بین الارسال والاخذ بعمل آخر وخمسۃ فی الکلب ان یکون معلماً وان یذھب علی سنن الارسال وان لا یشارکہ فی الاخذ ما لا یحل صیدہ وان یقتلہ جرحا وان لا یاکل منہ وخمسۃ فی الصید ان لا یکون من الحشرات وان لا یکون من دواب الماء السمک وان یمنع نفسہ بجناحیہ او بقوائمہ وان لا یکون متقویاً بنابہ او بمخلبہ وان یموت بھذا قبل ان یصل الی ذبحہ"۔

یعنی شکار سے جانور حلال ہونے کے لیے پندرہ 15 شرطیں ہیں۔(1) شکاری ان میں سے ہو جن کا ذبیحہ جائز ہوتا ہے۔(2) اُس نے کتّے وغیرہ کو شکار پر چھوڑا ہو۔ (3) چھوڑنے میں ایسے شخص کی شرکت نہ ہو جس کا شکار حرام ہو۔(4) بسم اللہ قصداً ترک نہ کی ہو۔ (5) چھوڑنے اور پکڑنے کے درمیان کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔(6) کتّا معلَّم (سکھایا ہوا) ہو۔(7) جدھر چھوڑا گیا ہو اُدھر ہی جائے۔(8) شکار پکڑنے میں ایسا کتّا شریک نہ ہوا ہو جس کا شکار حرام ہے۔(9) شکار کو زخمی کرکے قتل کرے۔(10) اُس میں سے کچھ نہ کھائے۔(11) شکار حشرات الارض میں سے نہ ہو۔(12) پانی کا جانور ہو تو مچھلی ہی ہو۔(13) وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنے آپ کو شکار سے بچائے۔(14) کیلے (گوشت خور جانوروں کے وہ دونوں بڑے دانت جن کے ذریعے سے وہ گوشت کاٹتے یا شکار پکڑتے ہیں) یا پنجہ والا جانور نہ ہو۔(15) شکاری کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جائے۔ یعنی ذبح کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصید، الباب الاول فی تفسیرہ ورکنہ وحکمہ، جلد5، صفحہ 502، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **"مجموع ھذہ الشروط لما یحل اکلہ ولم یدرکہ حیاً"۔**

یعنی یہ تمام شرائط اُس جانور کے متعلق ہیں جو مر گیا ہو اور اس کا کھانا حلال ہو۔

(ردالمحتار، کتاب الصید، جلد 10، صفحہ 46، دار عالم الکتب: ریاض)

امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بندوق کی گولی دربارہ حلت صید (شکار کے حلال ہونے کے) حکمِ تیر میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار مطلقاحرام ہے۔ کہ اس میں قطع (کاٹنا) وخرق (پھٹنا) نہیں، صدم (جھٹکا دینا) ودق (توڑنا) وکسر (توڑنا) وحرق (جلانا) ہے۔

شامی میں ہے:

"لایخفی ان الجرح بالرصاص انماھو بالاخراق، والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذا لیس لہ حد فلایحل وبہ افتی ابن نجیم"۔

یعنی یہ مخفی نہیں کہ تابنے کی گولی کا زخم اس کے جلانے اور ثقل کی وجہ سے ہے جو بذریعہ شدید دباؤ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس کی دھار نہیں ہوتی تو شکار حلال نہیں ہے، اور یہی ابن نجیم کا فتوٰی ہے۔ (ردالمحتار: کتاب الصید، جلد 10، صفحہ 60، دار عالم الکتب: ریاض)

مطلول شکل کی جو گولیاں ہیں اولاوہ بھی دھار دار نہیں ہوتی بلکہ تقریبا بیضوی شکل پر سنی جاتی ہیں، اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں مگر محدد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابل قطع وخرق ہو ضرور ہے۔ ثانیا اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار رہی بنائی جائے اور اسے بطور معہود بندوق سے سر کریں جب بھی ثبوت حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ تیقن بھی ضروری ہے، اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعث قتل ہوا۔ اور یہاں ایسا نہیں کہ اس کا احراق (جلانا) وصدمہ (جھٹکا دینا) شدید قاتل ہے **کما سمعت أنفا** (جیسا کہ ابھی آپ نے سنا۔) تو محتمل کہ یہی وجہ قتل ہوا ہو، نہ قطع، اور بحالت شک واحتمال حکم حرمت ہے۔

ہدایہ میں ہے:

" الاصل فی ھذہ المسائل ان الموت اذا کان مضافا الی الجرح بیقین کان الصید حلالا، واذا کان مضافا الی الثقل بیقین کان حراما، وان وقع الشک ولایدری مات بالضرح او بالثقل کان حراما احتیاطا"۔

یعنی ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر موت یقینی طور پر زخم کی طرف منسوب ہو تو شکار حلال ہے، اور اگر وہ ثقل کی طرف منسوب ہو تو یقینا حرام ہے، اور اگر شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ زخم سے مرا ہے یا ثقل سے تو احتیاطا حرام ہے۔

(الہدایۃ: کتاب الصید، فصل فی الرمی، جلد 7، صفحہ 334،333، مکتبۃ البشری: کراچی)

اسی میں ہے:

"لایوکل مااصابہ البندقۃ فمات بھا لانھا تدق وتکسر ولاتجرح وکذٰلک ان رماہ بحجر وکذٰلک ان جرحہ، قالو اتاویلہ اذا کان ثقیلا وبہ حدۃ لاحتمال انہ قتلہ بثقلہ"۔

یعنی بندوق لگنے سے ہلاک شدہ کو نہ کھایا جائے کیونکہ وہ دباؤ سے توڑتی ہے زخم نہیں کرتی، اور اسی طرح اگر پتھر مارا اور دباؤ سے زخمی ہوا، علماء نے فرمایا کہ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر پتھر بھاری ہو اور اس کی دھار ہو تو حرام ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ثقل کے دباؤ سے ہلاک ہوا ہو، اس لئے حرام ہے۔ (الہدایۃ: کتاب الصید، فصل فی الرمی، جلد 7، صفحہ 333، مکتبۃ البشری: کراچی)

(فتاوی رضویہ، کتاب الصید، جلد 20، صفحہ 344،343، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں:

"اگر ذبح کرلیا اور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے۔ اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا ذبح نہ کیا یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہے۔ غرض مدار کار اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے اور وقت ذبح اس میں رمق حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے نہ خون نکلے حلال ہو جائے گا، ورنہ حرام۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الصید، جلد20، صفحہ344، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح — و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفي عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

8 جمادی الاولیٰ 1441ھ 24 دسمبر 2020

رکوع وسجود کی تسبیحات میں بھولنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کوئی شخص رکوع میں "سبحان ربی العظیم" کی جگہ بھول کر سجدے کی تسبیحات پڑھ لے تو کیا اسے سجدہ سہو کرنا ہو گا؟ سائل: محمد طلحہ (میانوالی: پاکستان)

الجواب

رکوع و سجود کی تسبیحات پڑھنا سنت ہے، اگر کسی نے جان بوجھ کر یا بھولے سے ترک کردیں یا رکوع کی تسبیحات سجدے میں اور سجدے کی رکوع میں پڑھ دیں تب بھی نماز درست ہو گئی لیکن خلاف سنت ہوئی لہذا اس نماز کا لوٹانا مستحب ہے، لیکن ان کے ترک یا تبدیلی سے سجدہ سہو ہرگز واجب نہیں ہوتا، کیونکہ سجدہ سہو واجب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب بھولے سے رہ جائے۔ جبکہ یہ تسبیحات واجب ہیں ہی نہیں بلکہ سنت ہیں، اور سنت کے ترک پر سجدہ سہو ہرگز واجب نہیں ہوتا۔

چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:

"عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال: اذا رکع احدکم فقال فی رکوعه: "سبحان ربی العظیم" ثلاث مرات، فقدتم رکوعه، و ذلک ادناه، و اذا سجد فقال فی سجوده: "سبحان ربی الاعلیٰ" ثلاث مرات، فقدتم سجوده، و ذالک ادناه۔ و قال الترمذی: و العمل علیٰ هذا عند اهل العلم، یستحبون ان لا ینقص الرجل فی الرکوع و السجود من ثلاث تسبیحات"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "جب کوئی رکوع کرے اور تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب سجدہ کرے اور تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے تو سجدہ پورا ہو گیا اور یہ ادنی درجہ ہے۔ اور امام ترمذی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے، اور مستحب ہے کہ تسبیحات میں تین مرتبہ سے کمی نہ کرے۔ (جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود، الحدیث: 261، جلد1، صفحہ 300،301، دار الغرب الاسلامی)

فتاوی ہندیہ میں ہے: "و تکبیر الرکوع و تسبیحه ثلاثاً۔۔ و تکبیر السجود و تسبیحه ثلاثاً"۔

یعنی رکوع کی تکبیر اور رکوع میں تین بار "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡم" کہنا۔۔۔اور سجدہ کی تکبیر اور دونوں سجدوں میں کم از کم تین بار "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی" کہنا۔

(الفتاوی الهندية"، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث، جلد 1، صفحہ 80، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

فتاوی ہندیہ میں ہے: "لایجب بترک التعوذ والبسملة فی الاولیٰ والثناء وتکبیرات الانتقالات"

ترجمہ: تعوذ و تسمیہ، ثناء و تکبیرات کے ترک سے سجدہ سہو واجب نہیں۔

(الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، جلد 1، صفحہ 139، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"سنن و مستحبات مثلاً تعوذ، تسمیہ، ثنا، آمین، تکبیراتِ انتقالات، تسبیحات کے ترک سے بھی سجدۂ سہو نہیں بلکہ نماز ہو گئی۔ مگر اعادہ مستحب ہے سہواً ترک کیا ہو یا قصداً"۔ (بہار شریعت: سجدہ سہو کا بیان: جلد 1، حصہ 4، صفحہ 709، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

29 ربیع الاخری 1441ھ 15 دسمبر 2020

سنتِ ظہر کی آخری رکعتوں میں سورت نہ ملائی تو۔۔۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کوئی شخص ظہر کی چار سنتوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کیساتھ سورت نہ ملائے تو کیا نماز درست ہو جائے گی؟ سائل: محمد طلحہ (میانوالی: پاکستان)

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر بھولے سے سورت نہ ملائی تو سجدہ سہو واجب ہوا، اگر سجدہ سہو کر لیا تو نماز بلا کراہت درست ہو گئی اور اگر سجدہ سہو نہ کیا یا جان بوجھ کر سورت نہ ملائی تو اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے، اگر دوبارہ نہ پڑھی تو گناہ گار ٹھہریں گے۔ کیونکہ فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں اور وتر و نفل و سنتوں خواہ مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کیساتھ سورت ملانا واجب ہے، اور واجب بھولے سے ترک ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، سجدہ سہو کر لیا نماز درست ہو گئی۔ اور اگر سجدہ سہو نہ کیا یا جان بوجھ کر واجب ترک کیا تو نماز مکروہ تحریمی وواجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔ یاد رہے! فقہی کتابوں میں نفل کا لفظ سنتوں پر بھی بولا جاتا ہے لہذا جو احکام نوافل کے ہوتے ہیں وہی سنتوں کے بھی ہوتے ہیں ہاں اگر کوئی حکم الگ سے سنتوں کے ساتھ خاص ہو تو اسے بیان کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے: "وقد یطلق النفل علی مایشمل السنن الرواتب، ومنه قولهم باب الوتر والنوافل"

کبھی نفل کا لفظ سنتوں پر بھی بولا جاتا ہے، اسی سے فقہاء کرام رحمهم اللہ تعالیٰ کا قول: "باب الوتر والنوافل" بھی ہے۔ (حالانکہ اس باب میں فقہاء کرام نوافل و وتر کے علاوہ سنتوں کے احکام بھی بیان فرماتے ہیں)

(ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفيها، جلد 1، صفحہ 219، دار عالم الکتب: ریاض)

اور بہار شریعت میں ہے:

نفل عام ہے کہ سنت پر بھی اس کا اطلاق آیا ہے اور اس کے غیر کو بھی نفل کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام باب النوافل میں سنن کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ نفل ان کو بھی شامل ہے۔ (بہار شریعت، جلد 1، حصہ 4، باب سنن ونوافل کا بیان، صفحہ 663 مکتبۃ المدینہ: کراچی)

فتاوی ہندیہ میں ہے: **"وحکم السھو فی الفرض والنوافل سواء"**۔

سجدہ سہو واجب ہونے میں فرض و نفل دونوں کا ایک حکم ہے۔

(یعنی فرض ونوافل (وسنن)میں بھولے سے واجب ترک ہونے سے سجدۂ سہو واجب ہے۔)

(الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، جلد 1، صفحہ 139، دار الكتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

در مختار میں نماز کے واجبات میں فرمایاہے:

"قراۃ الفاتحۃ الکتاب وضم سورۃ فی الاولین من الفرض وجمیع رکعات النفل والوتر"۔

ترجمہ: الحمد اور اس کے ساتھ سورت ملانا فرض کی دو پہلی رکعتوں میں اور نفل (وسنن) و وتر کی ہر رکعت میں واجب ہے۔

(در مختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، واجبات الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 149،150، دار عالم الکتب، ریاض)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"وان ترکھافی الاخریین لایجب ان کان فی الفرض وان کان فی النفل والوتر وجب علیہ کذافی البحر الرائق، ولو قرا الفاتحۃ وحدھا وترک السورۃ یجب علیہ سجود السھو"

یعنی اگر فرض کی آخری دو رکعت میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہاں اگر نفل (وسنن) ووتر میں ترک کیا تو سجدہ سہو واجب ہو گا، اسی طرح اگر سورۃ الفاتحہ پڑھی لیکن سورۃ نہ ملائی تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔

(الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، جلد 1، صفحہ 139، دار الكتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور نفل و وتر کی کسی رکعت میں سورۂ الحمد کی ایک آیت بھی رہ گئی یا سورت سے پیشتر دو بار الحمد پڑھی یا سورت ملانا بھول گیا یا سورت کو فاتحہ پر مقدم کیا یا الحمد کے بعد ایک یا دو چھوٹی آیتیں پڑھ کر رکوع میں چلا گیا پھر یاد آیا اور لوٹا اور تین آیتیں پڑھ کر رکوع کیا تو ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

(بہار شریعت، سجدہ سہو کا بیان، جلد 1، حصہ 4، صفحہ 710، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

تنویر الابصار مع در مختار میں ہے:

"یجب بعدسلام واحدعن یمینہ فقط سجدتان ویجب ایضاًتشھدوسلام بترک واجب سھوفلاسجودفی العمد۔اھ۔ملخصاً"۔

یعنی بھولے سے واجب ترک ہونے پر صرف سیدھی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرنا اور ان کے بعد دوبارہ تشہد پڑھنا اور سلام پھیرنا واجب ہے، لیکن اگر جان بوجھ کر واجب چھوڑا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

(در مختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، جلد2، صفحہ 540۔۔تا۔۔543، دار عالم الکتب: ریاض)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ان ترک ساھیاًیجبر بسجدتی السھو وان ترک عامداًلا کذافی التاتارخانیة،انه لایجب السجود فی العمد وانما تجب الاعادة جبراًلنقصانه کذافی البحر الرائق"۔

یعنی اگر بھولے سے واجب ترک کیا تو سجدۂ سہو سے وہ کمی پوری ہو جائے گی اور اگر جان بوجھ کر واجب ترک کیا تو یہ کمی پوری نہ ہو گی۔اسی طرح تاتارخانیہ میں ہے۔کیونکہ جان بوجھ کر ترک واجب سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اعادہ واجب ہے۔

(الفتاوی الھندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الثاني عشر في سجود السھو، جلد1، صفحہ 139، دار الکتب العلمیہ: بیروت، لبنان)

در مختار میں ہے:

"وتعادوجوباًفی العمدوالسھوان لم یسجدله،وان لم یعدھایکون فاسقاآثم،وکذاکل صلاة ادیت مع کراھة التحریم تجب اعادتھا"۔

یعنی جان بوجھ کر واجب ترک کرنے یا سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود نہ کرنے کی صورت میں نماز کو لوٹانا واجب ہو گا، اگر نہ لوٹائی تو گنہگار و فاسق ہو گا، اسی طرح ہر اس نماز کا حکم ہے جو کراہت تحریمی کیساتھ ادا کی جائے کہ اس کا لوٹانا واجب ہے۔

(در مختار، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، واجبات الصلاۃ، جلد2، صفحہ 150،149، دار عالم الکتب، ریاض)

مجموعۃ قواعد الفقہ میں ہے: "کُلُّ صَلاۃٍ اُدِّیَتْ مَعْ کَرَاھَةِ التَّحْرِیمِ تَجِبُ اِعَادَتُھَا"۔

ترجمہ: ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے۔

اس کے تحت فرمایا: سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی لہذا اس کا اعادہ واجب ہے۔ (مجموعۃ قواعد الفقہ، صفحہ 100)

بہار شریعت میں ہے: اگر سہواً (یعنی بھولے سے) واجب ترک ہوا اور سجدہ سہو نہ کیا جب بھی (نماز کا) اعادہ واجب ہے۔

(بہار شریعت، کتاب الصلاۃ، سجدہ سہو کا بیان، جلد2، حصہ4، صفحہ 708، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمه جل مجده أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنه**

29 ربیع الاخری 1441ھ 15 دسمبر 2020

کیا اولیاء و صالحین کی بھی پیروی کی جائے گی؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اولیاء و صالحین کو ماننے اور ان کی اتباع و پیروی کرنے پر قرآن و حدیث میں کوئی دلیل ہے؟ سائل: عبد اللہ (یوکے)

الجواب

اولیاء و صالحین کو ماننے اور ان کی اتباع و پیروی کرنے پر قرآن و حدیث میں بالکل واضح دلیل موجود ہے۔ اوّلاً یاد رہے کہ ولایت ایک قربِ خاص ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔ اور جس کو ولایت کا اعلیٰ منصب نصیب

ہو جائے، اس کے اعمال وافعال ہمارے لئے صراط مستقیم (سیدھے راستے) پر چلنے کا ایک بہترین ذریعہ بن جاتے ہیں کہ قرآن نے انبیاء وصدیقین وشہداء اوراولیاء وصلحاء کے راستے کو صراط مستقیم فرمایا اورانہیں اپنی بارگاہ سے انعام یافتہ ہونے کی خوشخبری سنائی۔ لہٰذا جو بھی شخص صراط مستقیم پر چلنے کا خواہش مند ہے اسے چاہئے کہ اللہ ورسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اتباع وپیروی کیساتھ ساتھ صدیقین وشہداء اوراولیاء کرام کی پیروی کو بھی اپنے اوپر لازم کرلے۔

ان شاء اللہ العزیز روز قیامت اللہ کے فضل وکرم سے جنت ٹھکانہ ہوگا، اوراگر ان سے بغض وعداوت ہوگی توروز قیامت ذلت ورسوائی مقدر ہوگی کہ اولیاء کرام سے بغض وعداوت رکھنے والے سے خود اللہ رب العزت اعلان جنگ فرماچکا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

یہ بھی یادرہے کہ ہم پر صرف ان علماء ربانی اور صلحاء امت کی پیروی لازم ہے جو درست عقائد کیساتھ ساتھ پابند شریعت بھی ہیں، نہ کہ جاہل وجعلساز کہ جوولایت وپیری کالبادہ اوڑھے امت مسلمہ کو گمراہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رحمٰن والوں کی معرفت وپہچان اوران کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے اور شیطان والوں کے مکروفریب اوردھوکہ دہی وشرانگیزی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ہمارارب تعالیٰ فرماتاہے: "وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ"۔

ترجمہ: یہ میراسیدھاراستہ ہے اس کی پیروی کرو دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ (پارہ8، الانعام، 153)

اس آیت میں یہ نہ بتایا کہ سیدھاراستہ کون ساہے ہم نے قرآن سے پوچھاتواس نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

"اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ"

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے انعام کیا۔ (پارہ1، الفاتحۃ، 5،6)

قرآن میں جہاں سیدھاراستہ فرمایا گیااس سے کن لوگوں کاراستہ مراد ہے تواس کی وضاحت کرتے ہوئے ہمارارب تعالیٰ فرماتاہے:

"وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا"۔

ترجمہ: اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تووہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ (پارہ5، النساء، 69)

اس آیت کریمہ سے یہ باکل واضح ہوگیا کہ صراط مستقیم سے مراد انبیاء وصدیقین وشہداء اوراولیاء وصالحین کاراستہ ہے، لہٰذا جو صراط مستقیم پر چلناچاہے اسے چاہئے کہ ان ہستیوں کی اتباع وپیروی بھی اپنے اوپر لازم کرلے کیونکہ ان کی اتباع کے بغیر کوئی شخص ہرگز ہرگز صراط مستقیم پر نہیں چل سکتا۔

بلکہ علماء، اولیاء اور صالحین کی اطاعت عین اللہ عَزَّوَجَلَّ اوراس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت ہے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتاہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ"

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرواور رسول کی اطاعت کرواوران کی جوتم اولوالامر ہیں۔ (پارہ5، النساء، 59)

حضرت عطار رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں:

"فی قوله تعالی((اَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ))الآیة:قال:اولوالعلم والفقه،وطاعة الرسول:اتباع الکتاب والسنة"

ترجمہ:اس آیت میں رسول کی اطاعت سے مراد قرآن اور سنت کی پیروی ہے اور ''اُولِی الْاَمْرِ'' کی اطاعت سے علماء اور فقہاء کی اطاعت مراد ہے۔ (سنن دارمی، باب الاقتداء بالعلماء، صفحہ 145، الحدیث: 238، دارالبشائر الاسلامیہ: بیروت)

فرمان باری تعالیٰ ہے: "وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ"ۚ۔

ترجمہ: اور ایمان والے نے کہا: اے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کی راہ بتاؤں۔ (المؤمن:38)

تفسیر روح البیان میں ہے:

"وفیه اشارة الی ان لهدایة مودعة فی اتباع الانبیاء والاولیاء وللولی ان یهدی سبیل الرشادبتبعیة النبی ﷺ کمایهدی النبی الیه"۔

یعنی ہدایت انبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور اولیاءِ عظام رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ کی پیروی میں رکھی گئی ہے اور جس طرح نبی عَلَیْہِ السَّلَام اپنے امتی کو ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں اسی طرح نبی عَلَیْہِ السَّلَام کے تابع رہتے ہوئے اولیاء وصالحین بھی ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں۔

(روح البیان، المؤمن، تحت الآیۃ:38، جلد8، صفحہ 185، دار حیاء التراث العربی: بیروت، لبنان)

ہر ذی شعور جانتا ہے کہ بروں کی پیروی بری ہے اور اچھوں کی پیروی اچھی جیسے ہم بزرگانِ دین، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، اولیاء و صالحین کی پیروی کرتے ہیں تو یہ بہت اچھی ہے کہ اس کا حکم خود قرآن نے دیا ہے چنانچہ فرمایا: "وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"

ترجمہ: اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (پارہ10، التوبہ:119)

اور اولیاء کرام سے بغض و دشمنی رکھنے والے سے اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ فرمایا:

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ"۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تحقیق میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔

(صحیح البخاري"، کتاب الرقاق، باب التواضع، صفحہ 1617، حدیث: 6502، دار ابن کثیر، بیروت)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حاشا نہ شریعت و طریقت دو راہیں ہیں نہ اولیاء کبھی غیر علماء ہو سکتے ہیں، علامہ مناوی ''شرح جامع صغیر'' پھر عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی ''حدیقہ ندیہ'' میں فرماتے ہیں:

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "علم الباطن لا یعرفه إلاّ من عرف علم الظاهر"۔

یعنی علم باطن نہ جانے گا مگر وہ جو علم ظاہر جانتا ہے۔ [الحدیقہ الندیہ، النوع الثاني، جلد1، صفحہ 165]

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :"وما اتخذ اللہ ولیاً جاھلاً"۔

ترجمہ: اللہ نے کبھی کسی جاھل کو اپنا ولی نہ بنایا، یعنی بنانا چاہا تو پہلے اسے علم دے دیا اسکے بعد ولی کیا۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 3، صفحہ 92)(فتاوی رضویہ: جلد 21، صفحہ 530، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم و علمه جل مجده أتم و أحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

5 جمادی الاولیٰ 1441ھ 21 دسمبر 2020

بدعقیدہ شخص نے نکاح پڑھایا تو۔۔۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کسی شخص کا نکاح قادیانی نے پڑھایا اور 6،5 سال بعد اس کا علم ہوا، کیا شرعاً نکاح منعقد ہو گیا؟ اگر نہیں تو کیا نکاح دوبارہ ہو گا؟ اور حق مہر بھی دوبارہ دینا ہو گا؟

سائل: غلام عباس (گوجرانوالہ، پنجاب، پاکستان)

الجواب

اگر نکاح خواں معاذاللہ بدعقیدہ حتی کہ قادیانی ہو، اس سے نکاح پڑھوانا ہر گز جائز نہیں کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور اس کی تعظیم حرام، سخت حرام، اشد حرام ہے۔ اور اگر اس کا بدعقیدہ ہونا معلوم نہ ہو اور نکاح پڑھوایا گیا جیسا کہ پوچھی گئی صورت میں بیان کیا گیا تو ہر گز گناہ گار نہیں، اور اگر نکاح درست پڑھایا گیا تو منعقد ہو گیا، لہذا دوبارہ نکاح کرنا شرعاً لازم نہیں، کیونکہ نکاح خواں صرف وکیل ہوتا ہے اور وکالت کیلئے اسلام شرط نہیں۔ نکاح خواں کا مسائل نکاح کا عالم اور باعمل مسلمان ہونا فقط مستحب ہے، شرط وغیرہ نہیں۔ بہر حال ہم اپنے ہر معاملے میں خوب جانچ پڑتال کرتے ہیں تو نکاح جیسی عظیم سنت پر عمل کرنے سے پہلے بھی نکاح خواں کے عقائد وغیرہ کی معلومات حاصل کر لینی چاہیے تاکہ جانے انجانے میں کسی شرعی غلطی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(اگر وہ بدعقیدہ حد کفر تک نہ پہنچے ہوں) جب تو نکاح میں ان کا شاہد (گواہ) ہونا اصلاً مخل نہیں اور اگر حد کفر پر ہوں تو وکالت جب بھی جائز ہے کہ مرتد کو وکیل کر سکتے ہیں اس کی وکالت صحیح ہو جائے گی اگرچہ اس سے میل جول اختلاط حرام ہے۔

(فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، جلد 11، صفحہ 219، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

ہندیہ میں ہے:

"تجوز وکالة المرتد بان کل مسلم مرتدا و کذالو کان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فهو علی وکالته الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالته کذا فی البدائع"۔

یعنی مسلمان نے مرتد کو وکیل بنایا یا مسلمان کو وکیل بنایا وہ بعد میں مرتد ہو گیا تو یہ وکالت باقی رہے گی، مگر جب وہ دار الحرب بھاگ جائے تو وکالت ختم ہو جائے گی، بدائع میں ایسے ہی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوکالۃ، جلد 3، صفحہ 518، دار الکتب العلمیہ: بیروت: لبنان)

امام اہلسنت علیہ الرحمۃ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"نکاح تو ہو ہی جائے گا اس واسطے کہ نکاح نام باہمی ایجاب و قبول (مثلاً ایک کہے میں نے اپنے کو تیری زوجیت میں دیا دوسرا کہے میں نے قبول کیا یہ نکاح کے رکن ہیں، پہلے جو کہے وہ ایجاب ہے اور اس کے جواب میں دوسرے کے الفاظ کو قبول کہتے ہیں) کا ہے اگرچہ برہمن (پنڈت) پڑھادے، چونکہ اس سے پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جو حرام ہے، لہذا احتراز (بچنا) لازم ہے"۔

(الملفوظ، حصہ 3، صفحہ 346، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"نکاح پڑھوانا ایک تو بطور رسم ہوتا ہے جیسے نکاح خواں قاضی مقرر ہوتے ہیں یوں پڑھوایا اور اس نے حنفی مذہب کے طور پر صحیح پڑھایا تو تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔ اور ایک نکاح پڑھوانا بطور تعظیم ہوتا ہے کہ اس کو معظم اور متبرک سمجھ کر اس سے پڑھواتے ہیں، اگر یوں پڑھوایا اور اس کا (بدعقیدہ ہونا) نہ جانتا تھا کہ (بدعقیدہ لوگوں) میں تقیہ (اپنا باطل عقیدہ و مذھب چھپانا) بکثرت ہے تو یوں بھی تجدید نکاح کی ضرورت نہیں جبکہ اس نے صحیح طور پر پڑھایا ہو، اور اگر (بدعقیدہ) جان کر اسے معظم و متبرک سمجھا اور اس سے نکاح پڑھوایا تو نہ فقط تجدید نکاح بلکہ تجدید اسلام کی بھی حاجت ہے"۔ (فتاوی رضویہ: جلد 11، کتاب النکاح، صفحہ 282، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

در مختار میں ہے: **"ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید"**۔

یعنی نکاح اعلانیہ ہونا، خطبہ پہلے ہونا، مسجد میں ہونا، جمعہ کا دن ہونا اور نکاح کرنے والا صاحب رشد یعنی صاحب علم و عمل ہونا مستحب ہے۔

(در مختار ورد المحتار، کتاب النکاح، جلد 4، صفحہ 67،66، دار عالم الکتب: ریاض)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ در مختار کی عبارت میں موجود الفاظ **"بعاقد رشید"** کے متعلق فرماتے ہیں: **"اقول: الرشد ینتظم العلم والعمل"**۔ میں کہتا ہوں: رشد علم اور عمل دونوں کو شامل ہے۔ (فتاوی رضویہ، فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، جلد 11، صفحہ 190، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں:

"نکاح میں بہت احتیاط لازم، عقد کرنے والا دیندار، متقی، مسائل نکاح سے واقف ہو کہ جاہل سے نادانستہ وقوع مخل کا اندیشہ تھا، فاسق بد دیانت پر اعتماد نہیں، جب وہ خود حلال و حرام کی پرواہ نہیں رکھتا تو اوروں کے لیے احتیاط کی کیا امید"۔

(فتاوی رضویہ، فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، جلد 11، صفحہ 189، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

12 جمادی الاولیٰ 1441ھ 28 دسمبر 2020

مسجد کیلئے وقف شدہ زمین پر مدرسہ بنانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک جگہ مسجد کیلئے وقف کی گئی اور ابھی تک وہاں کوئی کام شروع نہیں ہوا، کیا وہاں مدرسہ بناسکتے ہیں؟ جبکہ واقف (جگہ وقف کرنے والے) کی طرف سے بھی اجازت ہے۔

سائل:سید علی حسین(گجرات،پاکستان)

الجواب

پوچھی گئی صورت میں مسجد کیلئے وقف شدہ جگہ پر اگرچہ کوئی کام نہیں ہوا،تب بھی وہاں مدرسہ بنانا جائز نہیں کہ یہ تغییر وقف(وقف کو بدلنا ہے)،اور تغییر وقف جائز نہیں بلکہ وقف کو تو اپنی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے نہ یہ کہ اس میں تبدیلی کر دی جائے۔اور جب واقف نے جگہ مسجد کیلئے وقف کی تو وہ واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی گئی اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں کہ تصرف آدمی اپنی ملک میں کر سکتا ہے جبکہ وقف مالک حقیقی اللہ رب العزت کی خاص ملک ہے۔اور واقف کا اب اجازت دینا بھی مفید نہیں کہ یہ ایسی وقف شدہ زمین کو دوبارہ وقف کرنا ہے جو اس واقف کی ملکیت میں ہے ہی نہیں،اور یہ بھی جائز نہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من بنی مسجدﷲ تعالیٰ بنی اللہ لہ بیتاًفی الجنۃ"۔

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا،اللہ تعالیٰ اُسکے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

(صحیح بخاری:کتاب الصلاۃ،باب من بنی مسجدا،جلد1،صفحہ 121،حدیث450،دار ابن کثیر:بیروت)

(صحیح مسلم:کتاب المساجد،باب فضل بناء المساجد،جلد1،صفحہ 241،حدیث 533،دار الکتب العلمیہ:بیروت)

محمد بن عبد الرحمن قرشی سے راویت: **"حبس عثمان بن عفان و الزبیر بن العوام و طلحۃ بن عبیداللہ دورھم"۔**

یعنی حضرت عثمان بن عفان وزبیر بن عوام وطلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے مکانات وقف کیے تھے۔

(کنز العمال:کتاب الوقف،قسم الافعال،جلد16،صفحہ634،الحدیث:46151، مؤسسۃ الرسالۃ:بیروت)

ابو معشر سے روایت: **"کان علی بن ابی طالب اشترط فی صدقتہ انھا لذی الدین و الفضل من اکابر ولدہ"۔**

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وقف میں یہ شرط کی تھی، کہ اُنکی اکابر اولاد سے جو دین دار اور صاحبِ فضل ہو، اُسکو دیا جائے۔

(کنز العمال:کتاب الوقف قسم الافعال،جلد16،صفحہ 635،الحدیث:46152،مؤسسۃ الرسالۃ:بیروت)

صدر الشریعہ **مفتی امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقف ایک صدقہ جاریہ ہے کہ واقف ہمیشہ اس کا ثواب پاتا رہے گا اور سب میں بہتر وہ وقف ہے جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو اور جس کا زیادہ نفع ہو مثلاً کتابیں خرید کر کتب خانہ بنایا اور وقف کر دیا کہ ہمیشہ دین کی باتیں اسکے ذریعہ سے معلوم ہوتی رہیں گی۔اور اگر وہاں مسجد نہ ہو اور اسکی ضرورت ہو تو مسجد بنوانا بہت ثواب کا کام ہے اور تعلیم علم دین کے لیے مدرسہ کی ضرورت ہو تو مدرسہ قائم کر دینا اور اسکی بقاء کے لیے جائداد وقف کرنا کہ ہمیشہ مسلمان اس سے فیض پاتے رہیں نہایت اعلیٰ درجہ کا نیک کام ہے۔

(بہار شریعت:وقف کا بیان،جلد2،حصہ10،صفحہ 524، مکتبۃ المدینہ:کراچی)

ہدایہ شریف میں وقف تعریف اس طرح ہے: **"الوقف ازالۃ الملک الی اللہ تعالیٰ علی وجہ القربۃ"۔**

حصول ثواب کیلئے چیز کو اپنی ملکیت سے خارج کرکے اللہ کی ملکیت میں کرنے کو وقف کہتے ہیں۔

(الھدایۃ: کتاب الوقف، جلد 4، صفحہ 407، المکتبۃ البشریٰ: کراچی)

اور فتاوی ہندیہ میں ہے:

"فھو فی الشرع حبس العین علی حکم ملک اللہ تعالیٰ علیٰ وجہ تعود منفعتہ الی العباد فیلزم ولا یباع ولا یوھب ولا یورث"۔

یعنی وقف کے یہ معنی ہیں کہ کسی شے کو اپنی ملک سے خارج کرکے خالص اللہ عزوجل کی ملک کر دینا اسطرح کہ اُسکا نفع بندگانِ خدا میں سے جس کو چاہے ملتا رہے۔(لہذا وقف کو نہ باطل کر سکتا ہے) نہ اسکی بیع ہو سکتی ہے، نہ ہبہ ہو سکتا ہے، نہ اس میں میراث جاری ہوگی۔

(الفتاوی الھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الاول فی تعریفہ ورکنہ وسببہ...الخ، جلد 2، صفحہ 357، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے: **"واما حکمہ زوال العین عن ملکہ الی اللہ تعالیٰ"۔**

یعنی وقف کا حکم یہ ہے کہ شے موقوف (وقف کی گئی چیز) واقف کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے (مگر موقوف علیہ یعنی جس پر وقف کی گئی اُسکی مِلک میں داخل نہیں ہوتی) بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی مِلک قرار پاتی ہے۔

(الفتاوی الھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الاول فی تعریفہ ورکنہ وسببہ...الخ، جلد 2، صفحہ 358، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

فتاوی عالمگیری میں ہے: **"منھا الملک وقت الوقف"۔**

(یعنی وقف صحیح ہونے کیلئے) وقتِ وقف چیز کا ملکیت میں ہونا، شرط ہے۔

(فتاویٰ ہندیۃ کتاب الوقف باب الاول فی تعریف۔۔الخ، جلد 2، صفحہ 359، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **"یزول ملکہ عن المسجد بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدا"۔**

یعنی بانی کی ملک مسجد سے دو طرح زائل ہوتی ہے، ایک یہ کہ زبان سے کہہ دے میں نے اسے مسجد کیا، دوسرے یہ کہ یہ نہ کہے، اور اس میں نماز کی اجازت بلا تحدید دے (اور اس میں نماز مثل مسجد ایک بار بھی ہو جائے تو اس سے بھی مسجد ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ لفظ مسجد کہنا شرط نہیں۔) (در مختار: کتاب الوقف، جلد 6، صفحہ 545، 544، دار عالم الکتب: ریاض)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

خالی زمین نماز کے لئے وقف کی جائے وہ بھی مسجد ہو جائیگی، اگرچہ یہ نہ کہا ہو اسے مسجد کیا۔(اور فرماتے ہیں:)

اقول: (میں کہتا ہوں) بلکہ اگر نماز کے لئے وقف کرے اور اس کے ساتھ صراحۃً مسجد ہونے کی نفی کر دے مثلاً کہے میں نے یہ زمین نماز مسلمین کے لئے وقف کی مگر میں اسے مسجد نہیں کرتا یا مگر کوئی اسے مسجد نہ سمجھے، جب بھی مسجد ہو جائے گی اور اس کا یہ انکار باطل کہ معنی مسجد یعنی نماز کے لئے موقوف پورے ہو گئے اور مذہب صحیح پر اتنا کہتے ہی مسجد ہو گئی اب انکار مسجدیت لغو ہے کہ معنی ثابت از لفظ سے انکار یا وقف مذکور سے رجوع ہے اور وقف بعد تمامی قابل رجوع نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی نسبت کہے میں نے اسے چھوڑا چھوڑا چھوڑا مگر میں طلاق نہیں دیتا کوئی اسے مطلقہ نہ سمجھے۔ طلاق تو دے چکا اب انکار سے کیا ہوتا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 16، صفحہ 284، 283، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

فتح القدیر ورد المحتار وشرح الاشباہ للعلامۃ البیری میں ہے: "الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادۃ اخری"۔

یعنی وقف کو اپنی اصل حالت پر باقی رکھنا واجب ہے بغیر اس کے کہ اس پر کوئی دوسری زیادتی کی جائے۔

(فتح القدیر: کتاب الوقف، جلد5، صفحہ 58، مطبوعہ: مصر)

عالمگیری میں ہے:"لاتجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ"۔

یعنی وقف جائداد کی ہیئت کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔

(فتاوی ہندیۃ: کتاب الوقف، الباب الرابع فی المتفرقات، جلد2، صفحہ 441، دار لکتب العلمیہ: بیروت)

عقود الدریہ ّمیں ہے: "لایجوز للناظر تغیر صیغۃ الواقف کما افتی بہ الخیر الرملی والحانوتی وغیرھما"۔

یعنی وقف کے نگہبان کے لیے واقف کے صیغے کی تبدیلی جائز نہیں، جیسا کہ خیر رملی اور حانوتی وغیر ہما نے فتوی دیا ہے۔

(العقود الدریۃ: لایجوز للناظر تغییر الوقف، جلد1، صفحہ 115، قندھار، افغانستان)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کو تغییر وقف کا کوئی اختیار نہیں تصرف آدمی اپنی ملک میں کر سکتا ہے وقف مالک حقیقی جل وعلا کی ملک خاص ہے اس کے بے اذن دوسرے کو اس میں کسی تصرف کا اختیار نہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد16، صفحہ 233، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

" **لو اتخذ مسجدا علی انہ بالخیار جاز الوقف وبطل الشرط۔۔۔واذا جعل ارضہ مسجدو بناہ واشھدان لہ ابطالہ وبیعہ فھو شرط باطل ویکون مسجداً**"۔

یعنی اگر کسی نے اس طور پر مسجد کیلئے جگہ وقف کی کہ اسے خیار حاصل ہے تو وقف صحیح اور شرط باطل ہے۔۔۔اور جب کسی نے زمین یا عمارت کو اس شرط پر مسجد قرار دیا کہ جب چاہے وقف کو باطل کر سکتا یا جگہ کو بیچ سکتا ہے اور اس پر لوگوں کو گواہ بھی بنالیا، تب بھی شرط باطل اور وقف صحیح ہو گا اور وہ جگہ مسجد ہو جائے گی۔

(الفتاوی الھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الاول فی تعریفہ ورکنہ وسببہ...الخ، جلد2، صفحہ 428،427، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یہ زمین ایک بار ایک جہت کے لیے وقف ہو چکی ہے دوبارہ وقفیت کیونکر معقول کہ واقف کا وقتِ وقف مالکِ موقوف ہونا شرط وقف ہے ہمارے مذہب میں بالاتفاق اہل وقوف اس پر صحت وقف موقوف اور وقفِ بعد تمامی کسی کی ملک نہیں، تو پھر اصل واقف بھی اگر دوبارہ اسے وقف کرنا چاہے محض باطل ہو گا، نہ کہ زید وعمرو بلکہ حکم عام ہے، خواہ وقف دوبارہ جہت اُخرٰی پر ہو یا اسی جہتِ اولٰی پر کہ علی الاول تحویل باطل ہے اور **علی الثانی تحصیل حاصل والکل باطل۔۔۔لان الوقف لایوقف** (کیونکہ وقف کا دوبارہ وقف جائز نہیں)"

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ 467، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

"مقبرے کے لیے وقف تسلیم کر کے اس میں مدرسہ وغیرہ دوسرے مکان وقفی بنانے کو درست بتانا ظلم واضح وجہل فاضح ہے کہ اس میں صراحۃً تغیر وقف ہے اور وہ حرام ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ466، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

اور فرماتے ہیں: "ایک وقف جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے اسی پر رکھا جائے اس میں تو تغیر نہ ہو مگر ہیئت بدل دی جائے مثلاً دکان کو رباط کر دیں یا رباط کو دکان، یہ (بھی) حرام ہے، نہ کہ سرے سے موقوف علیہ (ہی) بدل دیا جائے، (کہ) متعلق مسجد کو مدرسہ میں شامل کر لیا جائے یہ حرام ہے اور سخت حرام ہے"۔ (فتاوی رضویہ، جلد16، صفحہ 232،233، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

الجواب صحیح | واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم و أحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري | کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

12 جمادی الاولیٰ 1441ھ 28 دسمبر 2020

بارات جانے سے پہلے دولہا کا نفل پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ بارات کی روانگی سے قبل دولہا جو دو رکعت نفل پڑھتا ہے جسے سلامی کرنا کہتے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر وہ نوافل نہ پڑھے جائیں تو کیا نکاح میں کچھ فرق آئے گا؟ سائل: محمد اسلم

الجواب

بارات کی روانگی سے پہلے دو رکعت نفل نماز جو دولہا پڑھتا ہے، نہ نکاح کی شرائط میں سے ہے اور نہ ہی مستحبات میں سے، البتہ چونکہ نکاح ایک عظیم سنت ہونے کیساتھ خوشی کا موقع بھی ہے، اور جب بھی کوئی خوشی حاصل ہو یا کوئی مصیبت وآزمائش ٹلے تو سجدہ شکر کرنا مستحب ہے، اور بعض علماء نے فرمایا کہ دو رکعت نفل نماز پڑھنا مستحب ہے، غالباً اسی وجہ سے عوام میں یہ دو رکعت نفل نماز بطور شکرانہ رائج ہے، بہر حال یہ نوافل بطور شکرانہ پڑھے جائیں تو بھی زیادہ سے مستحب ہیں جن کے چھوڑنے پر شرعاً نہ نکاح میں کچھ حرج ہے اور نہ ہی کوئی گناہ۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نکاح کے مستحبات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید وشھود عدول"۔

یعنی نکاح اعلانیہ ہونا، خطبہ پہلے ہونا، مسجد میں ہونا، جمعہ کا دن ہونا اور نکاح کرنے والے کا صاحب علم و عمل ہونا اور عادل گواہوں کے سامنے ہونا مستحب ہے۔ (در مختار ورد المحتار، کتاب النکاح، جلد4، صفحہ 66،67، دار عالم الکتب: ریاض)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ نکاح کے مستحبات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ مستحباتِ نکاح بیان ہوئے، اگر اِس کے خلاف نکاح ہو گا جب بھی ہو جائے گا"۔

(بہار شریعت: کتاب النکاح، جلد2، حصہ 7، صفحہ 6، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

سنن ابی داؤد شریف میں ہے:

"عن ابی بکرۃ عن النبی ﷺ: انہ کان اذا جاءہ امر سرور او یسر بہ خرّ ساجداً شاکراً للہ تعالیٰ"۔

حضرت ابو بکرہ سے مروی، فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوشی کی خبر پہنچتی یا آپ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے۔ (سنن ابی داوٗد: باب فی سجود الشکر، جلد2، صفحہ404، حدیث2774، دار الرسالۃ العالمیہ: بیروت)

ملا علی القاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ورد فی الحدیث: "ان النبی ﷺ لما اتی برأس ابی جھل، خر ساجداً۔۔وحین بشر بالفتح"۔

یعنی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے سامنے ابو جہل کا سر پیش کیا گیا اور آپ کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی گئی تو آپ سجدے میں گر گئے"۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلاۃ، باب فی سجود الشکر، جلد3، صفحہ544، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

خاتم المحققین **علامہ ابن عابدین شامی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **"وفعلها ابو بکر و عمر و علی"**۔

حضرت ابو بکر و عمر و علی علیہم الرضوان نے سجدہ شکر کیا ہے۔

(رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، مطلب فی سجدۃ الشکر، جلد2، صفحہ598، 597، دار عالم الکتب: ریاض)

مفسر شہیر **مفتی احمد یار خان نعیمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ نے ابو جہل کے قتل، صدیق اکبر نے مسیلمہ کذاب کے قتل اور سیدنا علی المرتضٰی نے ذوالسنہ خارجی کے قتل کی خبریں سن کر سجدۂ شکر ادا کیے اور کعب ابن مالک قبول توبہ کی بشارت پر سجدہ میں گر گئے"۔ (مراۃ شرح مشکوۃ: جلد2، صفحہ380، قادری پبلشرز: لاہور)

محقق علی الاطلاق **شیخ عبد الحق محدث دہلوی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **"سجدۃ الشکر علی حصول نعمۃ و اندفاع بلیۃ"**۔

یعنی کسی نعمت کے حصول یا مصیبت کے ٹل جانے پر (کیا جانے والا سجدہ) سجدہ شکر (کہلاتا) ہے۔

(لمعات شرح مشکوۃ: جلد3، صفحہ608، دار النور، بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "دینی یا دنیوی خوشی کی خبر سن کر سجدے میں گر جانا اسے سجدۂ شکر کہا جاتا ہے"۔

(مراۃ شرح مشکوۃ: جلد2، صفحہ380، قادری پبلشرز: لاہور)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ان من تجددت عندہ نعمۃ ظاھرۃ اورزقه اللہ تعالیٰ ولداً او مالاً او وجد ضالۃ او اندفعت عنه نقمۃ او شفی مریض له او قدم له غائب ونحو ذالک، یستحب له ان یسجد للہ تعالیٰ شکراً"۔

یعنی سجدۂ شکر مثلاً اولاد پیدا ہوئی یا مال پایا یا گمی ہوئی چیز مل گئی یا مریض نے شفا پائی یا مُسافر واپس آیا غرض کسی نعمت پر سجدہ کرنا مستحب ہے۔ (الفتاوی الھندیۃ: کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، جلد1، صفحہ150، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **"وقیل شکرا تاماً، لانه تمامه بصلاۃ رکعتین کما فعل علیه الصلاۃ والسلام یوم الفتح"**۔

یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ مکمل شکر دو رکعتیں نماز ادا کرنا سے ہوگا جیسا کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن کیا۔

(رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، مطلب فی سجدۃ الشکر، جلد2، صفحہ598، 597، دار عالم الکتب: ریاض)

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **"فقالوا: المراد بالسجود الصلاۃ"**۔

یعنی بعض علماء فرماتے ہیں کہ سجدہ شکر سے مراد نماز ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلاۃ، باب فی سجود الشکر، جلد 3، صفحہ 544، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

حکیم الامت **مفتی احمد یار خان نعیمی** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"بعض علماء فرماتے ہیں کہ سجدۂ شکر کی احادیث میں سجدہ سے نماز مراد ہے، یعنی جز سے کل (مراد ہے)۔

(مراۃ شرح مشکوۃ: جلد 2، صفحہ 380، قادری پبلشرز: لاہور)

الجواب صحیح | **واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري | **کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ**

18 جمادی الاولیٰ 1441ھ 3 جنوری 2020

عورتوں کا مساجد میں جانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت زینب نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا: "اذا شهدت احداکن المسجد فلا تمس طيباً۔ رواه مسلم"۔ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو خوشبو نہ لگائے۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ و فضلھا، الفصل الاول، جلد 1، صفحہ 97، حدیث نمبر 992، مطبوعہ لاہور)

اس حدیث پاک کے تحت کیا عورتوں کو بغیر خوشبو لگائے مساجد میں جانے کی شرعاً اجازت ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ جواب مدلل و مفصل عطا فرمائیں۔ سائل: محمد اسلم

الجواب

ہر طرف فتنوں کا دور دورہ ہے اور عورتوں کی عزت کہیں بھی محفوظ نظر نہیں آتی اگرچہ عورت خود نیک و پارسا اور باپردہ ہی کیوں نہ ہو لیکن فاسق و فاجر و بد کردار لوگ عورتوں کی عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے ہر دم تیار نظر آتے ہیں اور عورتوں میں بھی طرح طرح کی خرافات نے جنم لیا جیسے بے پردگی و بے حیائی اور مردوں کیساتھ اختلاط وغیرہ، اسی وجہ سے زمانہ صحابہ و تابعین سے ہی عورتوں کو مساجد کی حاضری سے منع کر دیا گیا۔ اس لئے خواتین کا نماز جمعہ، فرض نماز و تراویح وغیرہ کی ادائیگی کے لئے جماعت میں شریک ہونے کے واسطے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی و ناجائز و گناہ ہے لہذا خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور نماز خواہ فرض ہو یا تراویح وغیرہ اپنے گھروں میں بلکہ گھروں کے اندرونی حصوں میں ادا کریں یہی ان کے لئے افضل اور بہتر ہے اسی میں تمام فتنوں اور دیگر گناہوں سے عافیت اور سلامتی ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے۔

حاصل کلام یہ کہ عورتوں کا بالخصوص اس پر فتن دور میں نماز کے لئے (خواہ فرض ہو یا تراویح) مسجد میں جانا مکروہ و ممنوع و ناجائز ہے۔

جب نماز سے مقصود اجر و ثواب ہی حاصل کرنا ہے اور اجر و ثواب ان کے لئے گھر میں پڑھنے میں زیادہ ہے (جیسا کہ آگے آئے گا) تو پھر مسجد جانے کا جواز تلاش کرنا دین پر عمل کرنے کے بجائے شوق پورا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیونکہ دین سراسر اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کا نام ہے۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ استدلال ہوتا ہے کہ جب عورتیں بے پردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مارکیٹ اور بازار جاتی رہتی ہیں تو اگر وہ باپردہ مسجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی کیلئے حاضر ہوں تو اس میں کیا حرج ہے؟

یہ استدلال ٹھیک نہیں کیونکہ جو عورتیں بازاروں میں بے پردہ پھرتی رہتی ہیں تو اسے کوئی بھی دیندار مسلمان جائز نہیں کہتا یہاں تک کہ وہ خود بھی اس کو جائز نہیں سمجھتیں (اگر ان میں عقل سلیم ہو) لیکن جب عبادت کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جائیں گی تو ان کا یہ طرز عمل ان کے دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں کرے گا کہ وہ ٹھیک نہیں کرتیں اور نہ ہی زندگی بھر اس غلطی کا احساس کریں گی اس طرح ایک طرف تو وہ گھر میں عبادت نہ کرکے زیادہ اجر و ثواب سے محروم ہوں گی، دوسری طرف وہ گھر سے باہر نکل کر فتنہ کا دروازہ کھول کر گناہ گار ہوں گی اور ان تمام وعیدوں کی مستحق ہوں گی جو عورتوں کے گھر سے نکلنے پر وارد ہیں۔

اور بعض حضرات اس وسوسے کا شکار ہوتے ہیں کہ مساجد میں جاکر خواتین علماء اہلسنت کے بیانات سن کر اپنے عقیدے و عمل کا تحفظ کر سکتی ہیں لہٰذا انہیں جانے کی اجازت ہونی چاہیے!

تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اب تو حصول علم کے ذرائع اس قدر وسیع ہو چکے ہیں کہ بند کمرے میں بیٹھے بھی علم حاصل کیا جاسکتا ہے جیسے کہ پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا وغیرہ تو اتنے ذرائع عام ہونے کے باوجود اس باطل حیلہ سازی کی کیا حاجت؟ اللہ عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین! اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں خواتین مسجد نبوی میں جاکر نمازیں ادا کرتی تھیں تو اگرچہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی لیکن ساتھ ہی یہ ارشاد بھی تھا کہ ''بیوتھن خیر لھن''، یعنی ان کے گھر ان کے لئے مسجد سے بہتر ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ و فضلھا، الفصل الثانی، جلد 1، صفحہ 97، حدیث 994، مطبوعہ: لاہور)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: **"قال ابن حجر: و صححه الحاكم على شرط الشيخين"**۔

یعنی امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام حاکم نے مستدرک میں شیخین کی شرائط پر اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ و فضلھا، الفصل الثانی، جلد 3، صفحہ 135، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

ایک مرتبہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں قبیلہ مزینہ کی ایک عورت زیب و زینت کا لباس پہنے ہوئے اتراتی ہوئی مسجد میں آئی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"يا ايها الناس نسائكم عن لبس الزينة و التبختر فى المسجد فان بنى اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نسائهم الزينة و تبخترن فى المساجد"۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب و زینت کا لباس پہننے اور مسجد میں اترانے سے روک دو کیونکہ بنی اسرائیل پر اس وجہ سے لعنت کی گئی کہ ان کی عورتوں نے زیب و زینت کا لباس پہننا اور مسجد میں اترانا شروع کر دیا تھا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنۃ النساء، الجزء الثانی، صفحہ 1326، حدیث 4001، دار احیاء الکتب العربیہ: بیروت)

مشکوۃ المصابیح میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "عن النبی ﷺ اذا شھدت احداکن المسجد فلاتمس طیبا"۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، الفصل الاول، جلد 1، صفحہ 97، حدیث نمبر 992، مطبوعہ لاہور)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: "لانہ سبب لزیادۃ الفتنۃ"۔

یعنی کیونکہ عورت کا خوشبو لگا کر باہر نکلنا فتنے میں زیادتی کا سبب ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، الفصل الاول، جلد 3، صفحہ 134، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ **"لمعات شرح مشکوۃ"** میں فرماتے ہیں:

"وھومحمول علی عجوز غیر مشتھاۃ لم تخرج بطیب ولا زینۃ، فی زماننا خروج النساء للجماعۃ مکروہ لفسادہ، وقیل: لان الغرض من حضورھن کان لیتعلمن الشرائع، ولا احتیاج الی ذلک فی زماننا لشیوعھا"۔

یعنی یہ حدیث بوڑھی عورتوں جن پر شہوت نہیں آتی پر محمول ہو گی جبکہ وہ بغیر خوشبو لگائے، زیب وزینت کئے نکلے، اور ہمارے زمانے میں فتنہ وفساد کی وجہ سے عورتوں کا جماعت کیلئے نکلنا مکروہ (تحریمی) ہے، اور بعض علماء نے فرمایا: (زمانہ نبوی میں) عورتوں کا مسجد میں حاضر ہونا شرعی احکامات سیکھنے کیلئے تھا (کیونکہ اس وقت بارگاہ اقدس کے علاوہ اس کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا) اور اب ہمارے زمانے میں حصول علم کے ذرائع کے عام ہونے کی وجہ سے اس کی کچھ حاجت نہیں۔

(لمعات شرح مشکوۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، الفصل الاول، جلد 3، صفحہ 203، دارالنوادر، ریاض)

پھر آپ ﷺ کے زمانے میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا کہ نماز ختم ہونے کے بعد مردوں کے اٹھنے سے پہلے عورتیں اٹھ کر چلی جاتی تھیں اور اس کے لئے باقاعدہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے تھے تاکہ ایک ساتھ اٹھنے کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے:

"ان النساء فی عھد رسول اللہ ﷺ کن اذا سلمن من المکتوبۃ قمن وثبت رسول اللہ ﷺ ومن صلی من الرجال ماشاء اللہ، فاذا قام رسول اللہ اقام الرجال"۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں جب فرض نماز سے سلام پھیر لیتیں تو کھڑی ہو جاتی تھیں (اور گھروں کی طرف چلی جاتیں) رسول اللہ ﷺ اور بقیہ نمازی (یعنی صحابہ کرام) بیٹھے رہتے پھر جب رسول اللہ ﷺ جانے کے لئے کھڑے ہوتے تو لوگ بھی کھڑے ہو جاتے۔ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب انتظار الناس۔۔۔ الخ، جلد 1، صفحہ 211، حدیث: 866، دارابن کثیر: بیروت)

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"کان یسلم فینصرف النساء فیدخلن بیوتھن من قبل ان ینصرف رسول اللہ ﷺ"۔

نبی کریم ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد پلٹنے سے پہلے پہلے عورتیں گھروں میں داخل ہو جاتی تھیں۔

(صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب مکث الامام فی مصلاہ بعد السلام، جلد 1، صفحہ 207، حدیث 850، دارابن کثیر: بیروت)

اور سنن ابی داؤد میں انہی سے ہے:

"كان رسول اللهﷺ اذا سلم مكث قليلا و كانو ايرون ان ذلك كيما ينفذ النساء قبل الرجال".

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیر لیتے تو تھوڑی دیر ٹھہرتے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سمجھتے تھے کہ یہ (ٹھہرنا) اس لئے تھا کہ عورتیں مردوں سے پہلے چلی جائیں۔

(سنن أبی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب انصراف النساء قبل الرجال، جلد2، صفحہ 273، حدیث 1040، دارالرسالۃ العالمیہ: بیروت)

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عورتوں کی حالت میں تبدیلی ظاہر ہونے لگی اور آزادی اور بے احتیاطی عام ہونے لگی اور فتنہ کا اندیشہ ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم جاری فرمایا کہ اب عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں، چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولا يباح للشواب منهن الخروج الى الجماعات بدليل ماروی عن عمرؓ انه نهى الشواب عن الخروج ولان خروجهن الى الجماعة سبب الفتنة والفتنة حرام وما ادى الى الحرام فهو حرام".

ترجمہ: جوان عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا مباح نہیں اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو جماعت کی نماز کے لئے گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا تھا اور اس لئے بھی کہ نماز باجماعت کے لئے عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچ جائے وہ بھی حرام ہے"۔

(بدائع الصنائع: کتاب الصلوۃ، فصل فی بیان من یصلح للامامۃ فی الجملۃ، جلد1، صفحہ 388: دار احیاء التراث العربی: بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پسند کیا، البتہ بعض عورتوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی فیصلہ فاروقی سے اتفاق فرمایا چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے:

"لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل"

یعنی اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انہیں مسجد سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔

(صحیح البخاری: کتاب الاذان، باب انتظار الناس۔۔۔ الخ، جلد1، صفحہ 211، حدیث: 869، دار ابن کثیر: بیروت)

(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء الی المساجد، جلد1، صفحہ 206، حدیث 445، مطبوعہ: بیروت)

اس حدیث مبارکہ کے تحت امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ما احدث النساء لمنعهن المسجد يعنی من الزينة والطيب وحسن الثياب ونحوها"

یعنی زیب وزینت، خوشبوئیں لگانا اور اچھے اچھے کپڑے پہننا وغیرہ۔

(حاشیہ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء الی المساجد، جلد1، صفحہ 371، بیت الافکار الدولیۃ: ریاض)

امام اکمل الدین بابرتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قدنھی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ النساء عن الخروج الی المساجد فشکون الی عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فقالت لو علم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما علم عمر ما اذن لکن فی الخروج"

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیا، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئیں، انہوں نے فرمایا: اگر نبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دیکھتے جو حضرت عمر نے دیکھا تو وہ بھی تمہیں مسجد جانے کی اجازت نہ دیتے۔" (عنایہ علی ھامش فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 259، مطبوعہ: مصر)

عمدۃ القاری میں ہے: **"وکان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما یقوم یحصب النساء یوم الجمعۃ یخرجھن من المسجد"**

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری، باب خروج النساء الی المساجد، جلد 6، صفحہ 157، بیروت)

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت مشروط تھی لیکن آپ کے زمانے کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان نے خود ہی عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کرنا شروع کر دیا۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہاں ایک نکتہ اور ہے جس سے عورتوں کی قسمیں بنانے، ان کے صلاح وفساد پر نظر کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، اور قطعاً حکم سب کو عام ہو جاتا ہے اگرچہ کیسی صالحہ پارسا ہو۔ فتنہ وہی نہیں کہ عورت کے دل سے پیدا ہو وہ بھی ہے اور سخت تر ہے جس کا فساق سے عورت پر اندیشہ ہو۔ یہاں عورت کی صلاح کیا کام دے گی، حضرت سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زوجہ مقدسہ صالحہ، عابدہ، زاہدہ، تقیہ، نقیہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسی عملی طور سے متنبہ کر کے حاضری مسجد کریم مدینہ طیبہ سے باز رکھا۔ ان پاک بی بی کو مسجد کریم سے عشق تھا، پہلے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں، قبل نکاح امیر المومنین سے شرط کرالی کہ مجھے مسجد سے نہ روکیں، اس زمانہ خیر میں محض عورتوں کو ممانعت قطعی جزمی نہ تھی جس کے سبب بیبیوں سے حاضری مسجد۔۔ بھی منقول۔۔۔ اسی پر غنیہ میں فرمایا کہ یہ اس وقت تھا جب حاضری مسجد انھیں جائز تھی اب حرام اور قطعی ممنوع ہے"۔

(غنیۃ المستملی شرح منیہ المصلی: کتاب الصلوۃ، فصل فی الجنائز، صفحہ 595، سہیل اکیڈمی لاہور)

غرض اس وجہ سے امیر المومنین نے ان کی شرط قبول فرمالی۔ پھر بھی چاہتے یہی تھے کہ مسجد نہ جائیں، یہ کہتیں آپ منع فرمادیں میں نہ جاؤں گی، امیر المومنین بہ پابندی شرط منع نہ فرماتے، امیر المومنین کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا، منع فرماتے وہ نہ مانتیں، ایک روز انھوں نے یہ تدبیر کی کہ عشاء کے وقت اندھیری رات میں ان کے جانے سے پہلے راہ میں کسی دروازے میں چھپ رہے۔ جب یہ آئیں اس دروازے سے آگے بڑھی تھیں کہ انھوں نے نکل کر پیچھے سے ان کے سر مبارک پر ہاتھ مارا اور چھپ رہے حضرت عاتکہ نے کہا: "ان اللہ فسد الناس"۔ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں لوگوں میں فساد آگیا۔ یہ فرما کر مکان کو واپس آئیں اور پھر جنازہ ہی نکلا۔ تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انھیں یہ تنبیہ فرمائی کہ عورت کیسی ہی صالحہ ہو اس کی طرف سے اندیشہ نہ سہی فاسق مردوں کی طرف سے اس پر خوف کا کیا علاج!

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ 11452، عاتکہ بنت زید الخ، جلد8، صفحہ 228، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

انہی تمام روایات اور آثار کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء احناف نے فرمایا کہ عورتوں کیلئے اب یہ اجازت نہیں کہ وہ باجماعت نماز کی غرض سے مساجد میں حاضر ہوں بلکہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا حضور کے زمانے میں تو افضل اور بہتر تھا لیکن اب ضروری ہو گیا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرات فقہاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے اقوال جن سے صاف صاف مسجد کی نماز باجماعت کی غرض سے خواہ وہ تراویح کی جماعت ہو خواتین کے لئے شرکت کے لئے حاضر ہونا ناجائز معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

"**ویکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوز الیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان**"۔

ترجمہ: زمانہ کی خرابیوں کی وجہ سے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونا مکروہ ہے چاہے جمعہ وعیدین کی نماز ہو یا مجلس وعظ ہو، چاہے وہ عمر رسیدہ ہوں یا جوان ہوں رات ہو یا دن ہو مفتی بہ مذہب یہی ہے۔

(درمختار، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد2، صفحہ 307، دار عالم الکتب: بیروت)

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

"**والزرکشی فی احکام المساجد: انہ حیث کان فی خروجھن اختلاط بالرجال فی المسجد او طریقہ او قویت خشیۃ الفتنۃ علیھن لتنزینھن وتبرجھن حرم علیھن الخروج**"۔

یعنی امام زرکشی نے احکام المساجد میں فرمایا کہ جہاں بھی عورتوں کے مسجد کی طرف آنے جانے یا راستے میں مردوں کیساتھ اختلاط ہو یا ان کے زیب وزینت اختیار کرنے اور فخریہ انداز میں اتراتے ہوئے چلنے کی وجہ سے فتنہ کا قوی اندیشہ ہو تو ان پر (گھر سے باہر) نکلنا حرام ہے۔ (یعنی مسجد جانے کی اجازت نہیں)

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب الصلوۃ، باب الجماعۃ وفضلھا، الفصل الاول، جلد3، صفحہ 134، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

"**والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی کل الصلوات لظھور الفساد کذا فی الکافی وھو المختار کذا فی التبیین**"۔

ترجمہ: "اس زمانے میں فساد کے ظہور کی وجہ سے تمام نمازوں میں عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور اسی پر فتوی ہے"۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلوۃ، الفصل الخامس فی بیان مقام الإمام، جلد1، صفحہ 98، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

اسی قسم کا مضمون البحر الرائق میں بھی مذکور ہے، چنانچہ البحر الرائق میں ہے:

"**ولا یحضرن الجماعات لقولہ تعالی، وقرن فی بیوتکن، وقال صلاتھا فی قعر بیتھا افضل من صلاتھا فی صحن دارھا وصلاتھا فی صحن دارھا افضل من صلاتھا فی مسجد ھا وبیوتھن خیر لھن ولانہ لایؤمن الفتنۃ من خروجھن اطلقہ فشمل الشابۃ والعجوز والصلاۃ النھاریۃ واللیلۃ قال المصنف فی الکافی والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی الصلاۃ کلھا لظھور الفساد ۔۔۔۔الخ**"۔

ترجمہ: اور عورتیں نماز باجماعت کے لئے (مسجد میں) حاضر نہ ہوں اللہ کے قول: "وقرن فی بیوتکن" اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان:

"صلاتھافی قعر بیتھا، الی اخر الحدیث" کی بناء پر اور چونکہ ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اس لئے یہ حکم فساد زمانہ کی بناء پر جوان اور عمر رسیدہ سب عورتوں کو شامل ہے اسی طرح چاہے دن کی نماز ہو یا رات کی نماز ہو، آج کے زمانہ میں فتوی کراہیت پر ہے (یعنی عورتوں کا نماز باجماعت کی نیت سے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے۔)

(البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ جلد 1، صفحہ 628،627، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

ہدایہ شریف میں ہے: "ویکرہ حضور الجماعات۔۔۔لمافیہ من خوف الفتنہ"۔

یعنی عورتوں کا جماعت کیلئے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔۔۔ کیونکہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ (یہاں فتنہ دونوں کو شامل ہے، خواہ عورت کی وجہ سے مرد پر فتنے کا خوف ہو یا عورت پر خوف ہو۔) (الھدایۃ: کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 242، المکتبۃ البشری: کراچی)

اور آگے علت دوم کی تصریح فرمائی کہ: "لہ ان فرط الشق حاصل فتقع الفتنۃ"۔

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ فاسقوں میں شہوت کی زیادتی انھیں بوڑھی عورت پر بھی برانگیختہ کرے گی اس طرح فتنہ واقع ہو گا۔ (الھدایۃ: کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 243، المکتبۃ البشری: کراچی)

محقق علی لااطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

" بالنظر الی التعلیل المذکور منعت غیر المزنیۃ ایضا لغلبۃ الفساق دلیلا و ان کان النص یبیحہ لان الفساق فی زماننا اکثر انتشار رھم و تعرضھم باللیل و عمم المتاخرون المنع للعجائز و الشواب فی الصلوات کلھا لغلبۃ الفساد فی سائر الاوقات"۔

یعنی دلیل مذکور کے پیش نظر ایسی عورت کے لیے بھی ممانعت ہوئی جو خود بدکار نہیں، کیونکہ بدمعاشوں کا غلبہ ہے اور رات کو بھی ممانعت ہوئی اگرچہ امام اعظم کے نص سے اس کی اباحت ثابت ہے، وجہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں فاسقوں کا گھومنا پھرنا اور چھیڑ چھاڑ کرنا زیادہ تر رات ہی کو ہوتا ہے۔ اور متاخرین نے بوڑھی، جوان سب عورتوں کے لیے تمام نمازوں میں عام ممانعت کر دی اس لیے کہ سبھی اوقات میں فساد و خرابی کا غلبہ ہے۔ (فتح القدیر: کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد 1، صفحہ 259، مطبوعہ: مصر)

اس مضمون کی عبارات جمع کی جائیں تو ایک کتاب ہو۔ عمدۃ القاری جلد سوم میں اپنی عبارت منقولہ سے سوا صفحہ پہلے دیکھیے:

" فیہ (ای فی الحدیث) انہ ینبغی (ای للزوج) ان یاذن لھا و لا یمنعھا ممافیہ منفعتھا و ذلک اذا لم یخف الفتنۃ علیھا و لا بھا و قد کان ھو الاغلب فی ذلک الزمان بخلاف زماننا ھذا فان الفساد فیہ فاش و المفسدون کثیرون و حدیث عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھا الذی یاتی یدل علٰی ھذا"۔

اس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ جس کام میں عورت کے لیے منفعت ہے اس کے لیے چاہئے کہ شوہر اسے نکلنے کی اجازت دے دے اور منع نہ کرے، اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب عورت پر اور عورت کے سبب فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اس زمانے میں اکثر حالات اطمینان و بے خوفی ہی کے تھے، مگر اب ہمارے زمانے میں تو فساد اور برائی عام ہے اور مفسد بہت ہیں، ہم نے حالتِ امن کی جو قید ذکر کی اسکی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث ہے۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد، جلد 6، صفحہ 157، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ: بیروت)

امام اہلسنت علیہ الرحمۃ "جد الممتار "میں فرماتے ہیں: "اقول قد علم ان الفتوی علی المنع مطلقا و لو عجوزا و لو لیلا"۔

اقول (میں کہتا ہوں) معلوم ہے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ جماعتوں کی حاضری عورتوں کے لیے مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ بوڑھی عورت ہو اور اگرچہ رات کو نکلے۔ (جد الممتار علی رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی زیارۃ القبور، جلد 3، صفحہ 386، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

جن شرائط کی پابندی کیساتھ اس پاکیزہ دور میں اجازت تھی ان پر موجودہ دور کی خواتین کا عمل ہونا بہت ہی دشوار ہے، اگر کوئی ایک آدھ خاتون نیک نیتی سے ان پر عمل کر بھی لے تو اس ایک کی وجہ سے سب کو کھلی چھوٹ دے دینا یقیناً فتنہ کو پھیلانے کے سوا کچھ نہیں۔ بالخصوص جبکہ بہت سی خواتین آج کل دینداری ظاہر کر کے بھی نفس کی پیروی کرنے میں پیچھے نہیں رہتیں۔ اب وہ شرائط بھی ملاحظہ فرمائیں چنانچہ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"لاتمنع المسجد لکن بشروط ذکرها العلماء ماخوذة من احادیث، وهو ان لاتکون متطیبة و لا متزینة و لا ذات خلاخل یسمع صوتها و لاثیاب فاخرة و لا مختلطة بالرجال و لا شابة و نحوها ممن یفتتن بها، وان لایکون فی الطریق مایخاف به مفسدة و نحوها"۔

یعنی جن شرائط کی پابندی کیساتھ عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت اس پاکیزہ دور میں تھی علماء نے انہیں احادیث کی روشنی میں ذکر کیا ہے: عورت خوشبو لگا کر، زیب وزینت اختیار کر کے، پائیل (یعنی پازیب جو عورتیں پاؤں میں پہنتی ہیں جس کی جھنکار) کی آواز سنی جائے، خوبصورت لباس (اور چمکیلے بھڑکیلے اور فیشنی برقعے) پہن کر، مردوں کیساتھ اختلاط کرتے ہوئے اور اس کے علاوہ ہر ایسا عمل جو انہیں یا ان کی وجہ سے مردوں کو فتنے میں مبتلاء کرے، اور نہ ہی راستے میں اتراتے ہوئے چلیں جس سے مردوں کی نظریں ان پر جمیں اور اس جیسے تمام امور کیساتھ (عورتوں کو مسجد میں آنے کی ہرگز اجازت نہیں)

(حاشیۃ صحیح مسلم للنووی، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء، صفحہ 369، بیت الافکار الدولیۃ: ریاض)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب ان خیر کے زمانوں اُن عظیم فیوض وبرکات کے وقتوں میں عورتیں منع کر دی گئیں، اور کاہے سے؟ حضورِ مساجد و شرکتِ جماعت سے، حالانکہ دین متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے۔ تو کیا ان ازمنہ شرور میں ان قلیل یا موہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کو اجازت دی جائے گی؟۔۔۔ یہ کس قدر شریعت مطہرہ سے منافقت ہے۔۔۔ بالخصوص اب کہ قطعاً فساد غالب اور صلاح نادر ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 548، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

و اللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

الجواب صحیح

کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري

18 جمادی الاولیٰ 1442ھ 3 جنوری 2021ء

نمازِ وتر میں دعائے قنوت پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کوئی قضائے عمری ادا کرتے ہوئے وتروں میں "رب اغفر لی" کی جگہ "استغفر اللہ" پڑھ لے تو کیا اس کے وتر ہو جائیں گے؟

سائل: آصف خان (لاہور: پاکستان)

الجواب

پوچھی گئی صورت میں نمازِ وتر بغیر کراہت درست ہوگئی، کیونکہ اگرچہ نمازِ وتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے لیکن اس میں کسی خاص دعا کا پڑھنا ضروری نہیں، ہاں بہتر وہ دعائیں ہیں جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھے جب بھی حرج نہیں۔ خواہ وہ دعا: "رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا" یا "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ" یا "اللھم اغفرلنا" یا "رب اغفرلی" یا "استغفار" وغیرہ ہو کہ یہ سب دعائے ماثورہ (یعنی قرآن وحدیث میں واردشدہ دعائیں) ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی دعا پڑھ لی قنوت کا واجب ادا ہو گیا۔ اور نماز بلا کراہت درست ہو گئی۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"القنوت واجب علی الصحیح۔۔۔ولیس فی القنوت دعاءمؤقت،والاولیٰ ان یقراء" اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ۔۔۔ولم یحسن القنوت یقول:"رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔۔۔اویقول:"اللھم اغفرلناویکرر ذلک ثلاثا"۔

یعنی دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے اور اس میں کسی خاص دعا کا پڑھنا ضروری نہیں، بہتر "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ" پڑھنا ہے جو دعائے قنوت نہ پڑھ سکے یہ پڑھے: "رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" کہے یا تین بار "اللھم اغفرلنا" پڑھے۔

(الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب الثامن فی صلاۃ الوتر، جلد1، صفحہ 123، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے اور اس میں کسی خاص دعا کا پڑھنا ضروری نہیں، بہتر وہ دعائیں ہیں جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھے جب بھی حرج نہیں۔ سب میں زیادہ مشہور دُعا یہ ہے: "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ"۔

(بہار شریعت: کتاب الصلاۃ، باب الوتر، جلد1، حصہ4، صفحہ 654، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"(جس کے ذمہ زیادہ قضاء نمازیں باقی ہوں اس کیلئے ایک تخفیف یہ ہے کہ) وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار "رب اغفرلی" کہے۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، جلد8، صفحہ 158، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

18 جمادی الاولیٰ 1441ھ 3 جنوری 2021

قبر کے سوالات کن سے نہیں ہوں گے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ قبر میں کتنے سوالات ہوں گے؟ کیا یہ سوالات انبیاء کرام علیھم السلام اور غیر انبیاء، مسلم وکافر سب سے ہوں گے؟ اور کیا قبر میں سوالات کے حوالے سے حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی

خصوصیت میں کوئی خاص روایت موجود ہے جس میں آپ کو سوالات سے مستثنیٰ کیا گیا ہو؟ جیسے کہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبر میں منکر نکیر سوالات کریں گے تو الٹا آپ ان سے سوال کریں گے کہ میرا رب اللہ ہے، تمہارا رب کون ہے؟ میرا دین اسلام ہے، تمہارا دین کیا ہے؟ میرے نبی محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں، تمہارے نبی کون ہیں؟ کیا کسی مستند کتاب میں مستند سند سے ایسا واقعہ ہے؟ اور کیا اسے بیان کر سکتے ہیں؟ سائل: عبد اللہ

الجواب

قبر میں منکر نکیر کا آنا اور مردے سے سوالات کرنا کثیر احادیث سے ثابت ہے جو کہ معناً تواتر کے درجے تک پہنچتی ہیں، لہذا اس کا منکر گمراہ و بددین ہے۔ اور قبر میں تین سوالات ہوں گے جو کہ مومن و کافر سب سے ہوں گے، اور مردہ اگر قبر میں دفن نہ کیا جائے تو جہاں پڑا رہ گیا یا پھینک دیا گیا، غرض کہیں ہو اُس سے وہیں سوالات ہوں گے اور وہیں ثواب یا عذاب اُسے پہنچے گا، یہاں تک کہ جسے شیر کھا گیا تو شیر کے پیٹ میں سوال و ثواب و عذاب جو کچھ ہو پہنچے گا۔ البتہ بعض ہستیاں ایسی بھی ہیں جن سے قبر کے سوالات نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے سوالات قبر سے محفوظ رکھا ہے۔

جن لوگوں سے قبر میں سوالات نہیں ہوں گے:

1- شہید ہونے والا مسلمان۔

2- مرض طاعون سے فوت ہونے والا مسلمان۔

3- طاعون کے زمانہ میں اُنکے علاوہ کسی مرض سے فوت ہونے والا جب کے وہ اس پر صابر اور ثواب کی اُمید رکھنے والا ہو۔

4- صدیق کے درجہ پر فائز۔

5- جمعۃ المبارک کے دن یا رات یا رمضان المبارک میں فوت ہونے والا مسلمان۔

6- ہر رات سورۃ ملک پڑھنے والا مسلمان، بعض علماء نے اس کے ساتھ سورۃ السجدہ کو بھی ملایا ہے۔

7- اپنے مرض میں جو شخص " قُل ھو اللہ احد " کا ورد رکھے اور اسی طرح فوت ہو جائے تو اس سے بھی سوال نہیں ہو گا۔

8- اور بعض شارحین نے فرمایا ہے کے ان میں انبیاء اضافہ کیا جائے اس لیے کہ وہ صدیق ہیں صدیق سے درجے میں بڑے ہیں اُن سے بھی سوال نہیں ہو گا۔

9- مسلمانوں کے وہ بچے جو نابالغی میں ہی انتقال کر گئے۔

10- اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسلامی سرحد پر پہرا دینے والا مسلمان مجاہد سے بھی سوالات قبر نہیں ہوں گے۔

خلیفہ ثانی، مُرادِ رسول، امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بالیقین منکر و نکیر کے سوالات سے محفوظ ہیں کیونکہ آپ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جلیل القدر صحابی، سسر رسول، خلیفہ راشد، اس امت کے محدث، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور 1400 سال سے

زائد عرصہ ہو چکا نبی کریم ﷺ کے ساتھ آرام فرما ہونے کیساتھ ساتھ شہید بھی ہیں اور ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ شہید سے سوالات قبر نہیں ہوں گے۔

رہا سوال میں بیان کردہ واقعہ تو اس کے دو حصے ہیں:

اول حصہ جس میں منکر نکیر کی صفات اور قبر کے سوالات کا تذکرہ ہے، یہ حصہ روایات سے ثابت ہے اور اسے بیان بھی کرنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ دوسرا حصہ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرشتوں سے سوال کرنا مذکور ہے، یہ حصہ کسی بھی معتبر سند سے منقول نہیں، لہٰذا اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرکے اس کو بیان کرنا درست نہیں۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عقائد نسفی میں ہے: "وسوال منكر ونكير ثابت بالدلائل السمعية"۔

یعنی منکر و نکیر کے سوالات دلائل نقلیہ سے ثابت ہیں۔ (شرح عقائد نسفی: صفحہ 239،238، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

صحیح بخاری و سنن ابو داؤد و جامع ترمذی میں ہے: (الفاظ ترمذی کے ہیں):

"عن البراء بن عازب، رفعه في قوله: "يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت۔۔۔الخ"۔ (سورۃ ابراھیم: آیت 27) قال: في القبر اذا قيل له: من ربك؟ ومادينك؟ ومن نبيك؟ وقال هذا حديث حسن صحيح"۔

ترجمہ: ترمذی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان: "جو ایمان لائے وہ اپنے قول پر ثابت قدم رہے" کے بارے میں مرفوعاً روایت کیا کہ یہ آیت سوالات قبر کے میں وارد ہوئی جب سوال کیا جائے گا: تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرے نبی کون ہیں؟ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، جلد 1، صفحہ 331، حدیث: 1369، دار ابن کثیر: بیروت)

(جامع ترمذی: کتاب التفسیر، باب و من سورۃ ابراہیم، جلد 5، صفحہ 196، حدیث: 3130، دار الغرب الاسلامی)

(سنن ابو داؤد: کتاب السنۃ: باب فی مسئلۃ القبر و عذاب القبر، جلد 7، صفحہ 131، حدیث: 3753، دار الرسالۃ العالمیۃ)

امام جلالُ الدّین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

"قد تواترت الاحاديث بذلك مؤكدة من رواية انس، والبراء، وتميم الدارى، وبشير بن كمال، وثوبان، وجابر بن عبدالله، وعبدالله بن رواحة، وعبادة بن صامت، وحذيفة، وضمرة بن حبيب، وابن عباس، وابن عمر، وابن مسعود، عثمان بن عفان، وعمر بن خطاب، وعمرو بن عاص، ومعاذ بن جبل، وابى امامة، وابى الدرداء، وابى رافع، وابى سعيد الخدرى، وابى قتادة، وابى هريرة، وابى موسىٰ، واسماء، وعائشة رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين"۔

ترجمہ: اس سلسلے میں احادیث تاکیدی اور مُتَواتِر ہیں جن میں سے حضرت سیدنا انس بن مالک، براء بن عازب، تمیم داری، بشیر بن کمال، ثوبان، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن رواحہ، عبادہ بن صامت، حذیفہ بن یمان، ضمرہ بن حبیب، عبد اللہ ابن عباس، عبد اللہ ابن عمر، عبد اللہ ابن مسعود، امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان، امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب، عمرو بن عاص، معاذ بن جبل، ابو امامہ باہلی، ابو درداء، ابو رافع، ابو سعید خدری، ابو قتادہ، ابو ہریرہ، ابو موسی اشعری، اسماء اور ام المؤمنین سیدتنا عائشۃ صدیقہ رضی اللہ عنھم اجمعین سے روایات ہیں۔ (النبراس علی شرح العقائد: صفحہ 321،320، مطبوعہ: کوئٹہ)

(شرح الصدور للسیوطی: صفحہ 117، دارالمدنی: عرب)

نبراس میں ہے:

"بالجملةالاحادیث فی هذاالمعنی) فی حال القبرو(فی کثیرمن احوال الآخرة متواترةالمعنی) کالبعث والحساب والصراط والحوض والشفاعة(وان لم یبلغ احادها)ای لم یبلغ افرادهامن حیث الفاظها(حدالتواتر)وبیانه ان تواترالخبراما لفظی وهوان یکون لفظ منقولا بعینه کالقرآن المنقول بلفظه المتفق علیه بین الرواة واما معنوی وهوان الفاظ القبرمختلفة وکل لفظ منهامرویامن الاحادبلاتواترلکن یکون المعنی المشترک بین الفاظه مرویابالتواتر کجودحاتم والتواتر المعنی ایضاحجة کاللفظی فان المخبرین اخبرونابوجودبغداو بالفاظ مختلفةافادالیقین معناهاالمشترک"۔

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ احوال قبر(سوالات قبر وغیرہ اور)بعث، حساب، صراط، حوض اور شفاعت وغیرہ کے بارے میں احادیث معناً متواتر ہیں اگرچہ لفظاً حد تواتر تک نہ پہنچیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ خبر یاتو لفظا متواتر ہوتی ہے یعنی اس کے الفاظ بعینہ منقول ہوتے ہیں جیسے کہ الفاظِ قرآن ہیں جن پر تمام راوی متفق ہیں، یامعناً متواتر ہوتی ہے یعنی سب راویوں کے الفاظ تو مختلف ہوتے ہیں لیکن معنی ومراد سب کی ایک ہی ہوتی ہے جیسے کہ حاتم طائی کی سخاوت کے متعلق ہم تک روایات پہنچیں(اگرچہ سب کے الفاظ مختلف ہوں لیکن مراد سب کی حاتم طائی کی سخاوت کو بیان کرنا ہے)اور معناً متواتر چیز بھی اسی طرح حجت ودلیل کا درجہ رکھتی جیسے لفظاً متواتر چیز، جیسے کہ بہت سارے لوگوں نے ہمیں کل کے دن کی خبر دی اگرچہ سب کے الفاظ مختلف ہوں لیکن پھر بھی سب کی یہ خبر ہمیں یقین کا فائدہ دے گی کیونکہ معنی سب کے ایک ہی ہیں۔ (النبراس علی شرح العقائد: صفحہ 320، مطبوعہ: کوئٹہ)

شرح الصاوی میں ہے:

"ممایجب اعتقادہ سوال منکرونکیر لنافهو مختص هذه الامة ای امة الدعوة المؤمنین والمنافقین والکافرین"۔

یعنی منکر نکیر کے سوالات کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اور یہ سوالات مومن ومنافق وکافر سب سے ہوں گے۔

(شرح الصاوی علی جوہرۃ التوحید، ص369، 370، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

اتحاف المرید میں ہے: "سوال منکرونکیر ایانامعاشر امة الدعوة المؤمنین والمنافقین والکافرین"۔

یعنی منکر نکیر کے سوالات سب سے ہوں گے خواہ مومن ہو یامنافق یاکافر۔ (اتحاف المرید، صفحہ 141، مطبوعہ: مصر)

صدرالشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مردہ اگر قبر میں دفن نہ کیا جائے تو جہاں پڑا رہ گیا یا پھینک دیا گیا، غرض کہیں ہو اُس سے وہیں سوالات ہوں گے اور وہیں ثواب یا عذاب اُسے پہنچے گا، یہاں تک کہ جسے شیر کھا گیا تو شیر کے پیٹ میں سوال وثواب وعذاب جو کچھ ہو پہنچے گا"۔

(بہار شریعت: جلد1، حصہ 1، برزخ کا بیان، صفحہ 109، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

شرح الصاوی میں ہے: "واما منکرونکیر فلایکفر منکرهما لانه اختلف فی اصل سوال القبر"۔

یعنی منکر ونکیر کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اصلاً سوالاتِ قبر میں اختلاف ہے۔

(شرح الصاوی علی جوھرۃ التوحید: صفحہ 132، دارالکتب العلمیہ: بیروت)

حاشیہ شرح الصاوی میں ہے:

"سوال القبروعذابه مختلف فیه،لذالک لم یکن من العقیدةالتی یکفرجاحدها،اذلایکفرالامن انکرماعلم من الدین بالضرورة،وعلمه العامةو الخاصةعلی حدسواء کالصلاةو الصوموتحریم الخمروغیره۔

یعنی سوالات وعذاب قبر مختلف فیہ ہے،اسی وجہ سے یہ ان عقائد میں سے نہیں ہے جس کا انکار کفر ہو،کیونکہ کفر صرف ضروریات دین کے انکار سے لازم آتا ہے،اوروہ ایسے امور ہیں جن کا ہر خاص وعام کو علم ہو جیسے نماز،روزہ کا فرض اور شراب کا حرام ہوناوغیرہ۔(لیکن سوالاتِ قبر کا منکر گمراہ وبدعتی ضرور ہوگا کہ اس پر متواتر احادیث موجود ہیں جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔)

(حاشیہ شرح الصاوی علی جوھرۃ التوحید:صفحہ 369،دارالکتب العلمیہ:بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة وقي فتنة القبر"۔

یعنی جس مسلمان کا انتقال جمعۃ المبارک کے دن یارات میں ہوا،فتنہ قبر(یعنی عذاب قبر وسوالات وغیرہ)سے محفوظ رہے گا۔

(المسند:للإمام أحمد بن حنبل،مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص،الحدیث:6646،جلد11،صفحہ226،موسسۃ الرسالۃ:بیروت)

انہی سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مامن مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة إلاّ وقاه الله فتنة القبر"۔

یعنی جمعۃ المبارک کے دن اورات میں انتقال کرنے والے کو اللہ تعالیٰ قبر کے فتنے سے محفوظ رکھے گا۔

(سنن الترمذي،کتاب الجنائز،باب ماجاء فیمن مات یوم الجمعۃ،الحدیث:1074،جلد2،صفحہ372،دارالغرب الاسلامی)

(المسند:للإمام أحمد بن حنبل،مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص،الحدیث: 6582،جلد11،صفحہ147،مؤسسۃ الرسالۃ:بیروت)

معجم کبیر للطبرانی میں حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"سمعت رسول الله ﷺ یقول:رباط یوم فی سبیل الله کصیام شهر وقیامه،ومن مات مرابطاً جری علیه عمله الذی کان یعمل واومن الفتان ویبعث یوم القیامة شهیدا"۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اللہ کی راہ میں ایک دن نگہبانی کرناایک ماہ کے روزے رکھنے اور قیام کرنے(کے ثواب) کے برابر ہے،اور جس کو نگہبانی کرتے ہوئے موت آجائے اس(کے) عمل(کا ثواب)جاری رہے جوروہ کرتا تھا،اس کو قبر کے سوالات عذاب سے محفوظ رکھاجائے گا،اور قیامت کے دن شہداء میں اٹھایاجائے گا۔ (معجم کبیر للطبرانی:جلد4،صفحہ504،حدیث6056،مطبوعہ:لاہور)

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"من لایسال ثمانیة:الشهید،والمرابط،والمطعون،والمیت زمن الطاعون بغیره اذاکان صابرامحتسبا،والصدیق،والاطفال،والمیت یوم الجمعة ولیلتها،والقاری کل لیلة تبارک الملک،وبعضهم ضم الیها السجدة،والقاری فی مرض موته:"قل هو الله الاحد"۔اھ۔واشارالشارح الی انه یزادالانبیاءعلیهم الصلاة والسلام،لانهم اولیٰ من الصدیقین۔

ترجمہ: جن سے سوالات قبر نہ ہوں گے وہ 8 قسم کے لوگ ہیں: شہید، راہ خدا میں گھوڑا باندھنے والا، طاعون سے مرنے والا، طاعون کے زمانے میں اس کے علاوہ کسی اور مرض سے مرنے والا جبکہ اپنی بیماری پر صبر کیا ہو، صدیقین، مسلمانوں کے نابالغ بچے، جمعۃ المبارک کے دن یا رات میں انتقال کرنے والا، سورۃ الملک یا سورۃ السجدۃ کی روزانہ رات تلاوت کرنے والا، مرض موت میں سورہ اخلاص پڑھنے والا، اور شارح نے اشارہ فرمایا کہ ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اضافہ بھی ہو گا کیونکہ وہ صدیقین سے اعلیٰ ہیں۔

(فتاوی شامی: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، جلد 3، صفحہ 82، 81، دار عالم الکتب: بیروت)

اور شرح الصاوی میں ہے:

"السوال مخصوص بمن كان مكلفاًولوجناً لاملكاً،ويستثنى من المكلفين الانبياءوالصديقون والمرابطون والشهداء،وملازم قراة تبارک الملک كل ليلة اوسورة السجدة،ومريض البطن،ومن مات ليلة الجمعة اويومها،والمطعون،ومن قرا الاخلاص فى مرضه الذى مات فيه،ونحو ذلک مماوردفى السنة استثناؤه"۔

یعنی سوالاتِ قبر تمام مکلفین سے ہوں گے سوائے فرشتوں کے، اور مکلفین میں انبیاء کرام، صدیقین، اسلامی سرحد کی حفاظت کیلئے سرحد پر گھوڑا باندھنے والے، شہداء کرام، روزہ رات کو سورۃ الملک یا سورۃ السجدۃ کی تلاوت کا التزام کرنے والے، پیٹ کے درد میں مرنے والا، جمعۃ المبارک کے دن یا رات میں مرنے والا، طاعون سے مرنے والا، جو سورہ اخلاص یعنی قل ھو اللہ احد شریف کا اپنے اس مرض میں جس میں اس کا انتقال ہوا، ورد رکھے، اسی طرح وہ تمام لوگ بھی سوالاتِ قبر سے مستثنیٰ ہیں جن کے بارے میں احادیث وارد ہوئیں۔

(شرح الصاوی علی جوھرۃ التوحید، صفحہ 371، دار الکتب العلمیہ: بیروت)

علامہ فضل الرسول بدایونی علیہ الرحمۃ "المعتقد المنتقد" میں فرماتے ہیں:

"والأصح أنّ الأنبياء لا يسألون، وقد ورد أنّ بعض صالحي الأمة كالشهيد والمرابط يوما وليلة في سبيل الله يأمن فتنة القبر، فالأنبياء عليهم السلام أولى بذلک وكذا في اطفال المؤمنين"۔

یعنی صحیح مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے سوالات نہیں ہوں گے، اور حدیث میں آیا ہے کہ بعض نیکوکاران امت جیسے شہید اور اسلامی ملک کی سرحد پر ایک دن، ایک رات فی سبیل اللہ گھوڑا باندھنے والا سوال قبر سے بری ہے، تو انبیاء کرام علیہم السلام اس کے زیادہ مستحق ہیں (کہ ان سے سوالات قبر نہ ہوں) اسی طرح مومنین کے نابالغ بچوں سے بھی سوالات قبر نہ ہوں گے۔

(المعتقد المنتقد، صفحہ 184، برکاتی پبلشرز: کراچی)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمۃ اس کے حاشیہ بنام ''المعتمد المستند'' میں فرماتے ہیں:

"والميت يوم الجمعة أو ليلتها أو في رمضان وغيرهم ممّن وردت لهم الأحاديث"۔

یعنی یہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو مسلمان شبِ جمعہ یا روزِ جمعہ یا رمضانِ مبارک کے کسی دن رات میں مرے گا، سوالِ نکیرین و عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ (المعتمد المستند: صفحہ 184، برکاتی پبلشرز: کراچی)

اور فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: شب جمعہ اور رمضان مبارک میں ہر روز کے واسطے یہ حکم ہے کہ جو مسلمان ان میں مرے گا سوال نکیرین و عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الجنائز، جلد 9، صفحہ 661، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:

"اذا کتب ھذا الدعاء وجعل مع المیت فی قبرہ وقاہ اللہ فتنۃ القبر وعذابہ"۔

جب یہ لکھ کر میّت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اُسے سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے امان دے۔

(فتاوی کبریٰ بحوالہ ابن عجیل: باب الجنائز، جلد2، صفحہ 6 دارالکتب العلمیۃ: بیروت)

(فتاوی رضویہ: کتاب الجنائز، جلد9، صفحہ 110، رضافاؤنڈیشن: لاہور)

نبراس میں ہے:

"وقال النسفی فی بحر الکلام اطفال المؤمنین لیس علیھم عذاب القبر ولا سوال منکر ونکیر"۔

ترجمہ: امام نسفی نے بحر الکلام میں فرمایا: مومنین کے بچوں پر نہ عذاب قبر ہوگا اور نہ ہی ان سے منکر نکیر سوالات کریں گے۔

(النبراس علی شرح العقائد: صفحہ 316، مطبوعہ: کوئٹہ)

منکر نکیر کا قبر میں آنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا حضرت عمر کو قبر کے فرشتوں کے بارے میں آگاہ کرنا بھی روایات سے ثابت ہے۔

چنانچہ امام ابن أبي داود "البعث والنشور" میں ابوجمیلۃ مفضل ابن صالح سے روایت کرتے ہیں:

عن مفضل بن صالح عن إسماعيل بن أبي خالد عن أبي شهر (وفي رواية عن أبي سهل، وفي أخرى: عن أبي شهم) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: كيف أنت إذا كنت في أربعة أذرع في ذراعين، ورأيت منكرا ونكيرا؟ قال: قلت: يارسول الله! وما منكر ونكير؟ قال: فتانا القبر، يبحثان الأرض بأنيابهما، ويطآن في أشعارهما، أصواتهم كالرعد القاصف، وأبصارهما كالبرق الخاطف، معهما مرزبة لو اجتمع عليها أهل منى، لم يطيقوا رفعها، هي أيسر عليهما من عصاتي هذه. قال: قلت: يارسول الله! وأنا على حالي هذه؟ قال: "نعم" قلت: إذن أكفيكهما"۔

ترجمہ: حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی زمین (یعنی قبر) میں ہوگے اور تم منکر نکیر کو دیکھو گے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! منکر نکیر کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ قبر میں امتحان لینے والے (دو فرشتے) ہیں جو قبر کو اپنے دانتوں سے کریدیں گے اور ان کے بال اتنے لمبے ہوں گے کہ وہ اپنے بالوں کو روندتے ہوئے آئیں گے۔ ان کی آواز زوردار گرج کی طرح ہوگی اور ان کی آنکھیں اُچکنے والی بجلی کی طرح چمک رہی ہوں گی۔ ان دونوں کے پاس اتنا بڑا ہتھوڑا ہوگا کہ سارے منیٰ والے مل کر اسے نہ اٹھا سکیں۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے آپ ﷺ ہلا رہے تھے، آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: لیکن ان دونوں کے لئے اسے اٹھانا میری اس چھڑی سے زیادہ آسان ہوگا۔ وہ دونوں تمہارا امتحان لیں گے، اگر تم جواب نہ دے سکے یا تم لڑکھڑا گئے تو پھر وہ تمہیں وہ ہتھوڑا اس زور سے ماریں گے کہ تم راکھ ہو جاؤ گے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں اپنی اسی حالت میں ہونگا؟ (یعنی اس وقت میرے ہوش و حواس ٹھیک ہوں گے) حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں. میں نے کہا: پھر میں ان دونوں سے نمٹ لونگا۔

(البعث والنشور لابن ابی داؤد: صفحہ 21، مکتبۃ التراث الاسلامی: قاہرہ)

(اتحاف الخیرۃ المھرہ، کتاب الجنائز، السوال فی القبر وماجاء، جلد2، صفحہ 492، حدیث 1955، دارالوطن للنشر: ریاض)

اس کے تحت شیخ الحوینی المدنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"وھو حدیث منکر بھذا التمام والمفضل ابن صالح، قال البخاری وابو حاتم: "منکر الحدیث"۔ وقال الترمذی: لیس عنداھل الحدیث بذالک الحفاظ"۔ وشیخہ لم اعرفہ ان کان ھو ابو سھل، وان کان ھو ابو شمر، فقدقال الذھبی: "فیہ جھالۃ"۔ ویقال ابو شھم، والحدیث اخرجہ البیھقیفی الاعتقاد: صفحہ 323، 322، من طریق مفضل بن صالح عن اسمعیل بن ابی خالد، عن ابی سھل، عنہ ابی عن عمر، فذکرہ۔

ثم قال غریب بھذا الاسناد، تفرد بہ المفضل ھذا۔ وقد رویناہ من وجہ آخر عن ابن عباس ومن وجہ آخر صحیح عن عطاءبن یسار، عن النبی ﷺ مرسلا فی قصۃ عمر، وقال: ثلاثۃ اذرع فی عرض ذراع وشبر، ولم یذکر المرزبۃ"۔

قلت: وطریق عطاء رواہ الآجری فی "الشریعۃ" (صفحہ366) وابن ابی الدنیافی القبور من طریق ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن عطاءبن یسار قال، قال: رسول اللہ ﷺ لعمر رضی اللہ عنہ: یاعمر! کیف انت؟ قال العراقی فی المغنی (جلد4، صفحہ503) "رجالہ ثقات"۔ ووصلہ ابن بطۃ: فی "الابانۃ" من حدیث ابن عباس: فالصحیح فی ھذا الحدیث ھو طریق عطاء مع ارسالہ، اما حدیث الباب فمنکر کماذکرہ الذھبی فی "المیزان" (جلد4، صفحہ537)

اوراس کے متعلق حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "المغنی عن الاسفار" میں فرمایا کہ اتنا تو حضرت عطاء بن یسار تابعی سے مرسلاً صحیح سند سے ثابت ہے اور موصولاً ضعیف سند کیساتھ۔

"أخرجه ابن أبي الدنيا في كتاب القبور هكذا مرسلًا، ورجاله ثقات، قال البيهقي في الاعتقاد: رويناه من وجه صحيح عن عطاء بن يسار مرسلًا، قلت: ووصله ابن بطة في الإبانة من حديث ابن عباس، ورواه البيهقي في الاعتقاد من حديث عمر، وقال: غريب بهذا. الإسناد، تفرد به مفضل، ولأحمد، وابن حبان من حديث عبد الله بن عمرو"۔

(المغنی عن الاسفار: صفحہ: 1236، الرقم: 4464، المکتبۃ الطبریۃ:: الریاض)

ان دونوں عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت تین صحابہ سے مرفوع اور دوسندوں سے مرسل منقول ہے:

1۔ **پہلی سند:** یہ روایت حضرت عمر سے منقول ہے، اس سند میں مفضل بن صالح الاسدی منکر الحدیث ہے، اور ابو شھر مجھول راوی ہے۔

2۔ **دوسری سند:** یہ روایت ابن عباس سے منقول ہے، اس سند میں واقدی ہے جو متروک راوی ہے۔

3۔ **تیسری سند:** یہ روایت حضرت جابر سے منقول ہے، اس میں اسماعیل بن مسلم المکی کثیر الغلط راوی ہے۔

4۔ **چوتھی سند:** یہ عطاء بن یسار سے مرسل منقول ہے۔

5۔ **پانچویں سند:** یہ عمرو بن دینار سے مرسل ہے۔

خلاصہ تحقیق: اس قدر روایت مختلف اسناد سے وارد ہے جو اگرچہ ضعیف ہیں لیکن قابل بیان ہیں۔

حضرت عمر کا منکر نکیر سے سوال کرنا:

روایت کا اگلا حصہ:

علامہ محب الدین الطبری نے اپنی کتاب "الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ" میں عبد الواحد المقدسی سے نقل کیا ہے:

"فقال عمر بن الخطاب: أيأتيانني وأنا ثابت كما أنا؟قال: "نعم" قال: فسأكفيكهما، يا رسول الله، فقالﷺ: "والذي بعثني بالحق نبيًّا، لقد أخبرني جبريل أنهما يأتيانك، فتقول أنت: الله ربي، فمن ربكما؟ومحمد نبيي، فمن نبيكما؟ والإسلام ديني، فما دينكما؟فيقولان: واعجباه!!ماندري نحن أرسلنا إليك، أم أنت أرسلت إلينا؟"۔

ترجمہ:(سرکارِ دوعالم ﷺ سے نکیرین کے بارے میں سن کر) حضرت سیّدُنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! جب وہ میرے پاس آئیں گے تو کیا میں اسی طرح صحیح سالِم رہوں گا جیسے اب ہوں؟'' فرمایا:'' ہاں۔'' عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! پھر تو میں انہیں آپ ﷺ کی طرف سے خُوب جواب دوں گا۔'' سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! اس رب تعالیٰ کی قسم جس نے مجھے حق دے کر بھیجا! مجھے جبریل امین نے بتایا ہے کہ وہ دونوں فرشتے جب تمہاری قبر میں آئیں گے اور سوالات کریں گے تو تم یوں جواب دوگے کہ میرا رب اللہ ہے مگر تمہارا رب کون ہے؟ میرا دین اسلام ہے مگر تمہارا دین کیا ہے؟ میرے نبی تو محمد ﷺ ہیں مگر تمہارا نبی کون ہے؟ وہ کہیں گے: بڑی تعجب کی بات ہے، ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں یا تم ہماری طرف بھیجے گئے ہو؟

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ: جلد1، صفحہ 346: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

اس روایت کی اسنادی حیثیت:

روایت کا یہ حصہ (جس میں حضرت عمر فرشتوں سے سوال کریں گے) کسی بھی معتبر سند سے منقول نہیں، البتہ علامہ محب الدین الطبری نے اپنی کتاب "الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ" میں عبد الواحد المقدسی سے اسکو نقل کیا ہے جبکہ المقدسی نے خود اپنی کتاب میں اس قصے کا صرف اول حصہ نقل کیا ہے لیکن بقیہ حصہ وہاں بھی موجود نہیں۔

چنانچہ دوسرے جزء یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکیرین سے سوال کرنے کے متعلق "الریاض النضرۃ" کی تخریج کرنیوالے محقق "عبد المجيد طعمة حلبی" فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق کا نکیرین سے سوال کے متعلق حصہ روایت کا جزء نہیں ھے یہ بلاسند "علامہ محب الدین الطبری" نے ذکر کر دیا ہے۔

اخرجه عبد الواحد بن محمد بن علي المقدسي في كتابه التبصير، خرج الحافظ أبو عبد الله القاسم الثقفى عن جابر من اولى ذكر السوال وقال: فقال عمر: يارسول اللهﷺ اية حال انا يومئذ؟قال: على حالك، قال اذا اكفيكهما، ولم يذكر ما بعده. وخرج سعيد بن منصور معناه، ولفظه: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، أنا محمد بن علوان بن علقمة، قال: حدثني أصحابنا، قالوا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمر: "كيف بك إذا جاءك منكر ونكير يسألانك؟ صوتهما مثل الرعد القاصم، وأبصارهما مثل البرق الخاطف، يطئان في أشعارهما، ويبحثان بأنيابهما"، فقال: يا رسول الله، أنبعث على ما متنا عليه؟ قال: "نعم، إن شاء الله تعالى" قال: إذاً أكفيكهما"۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ محب الدین الطبری علیہ الرحمہ نے علامہ عبد الواحد المقدسی سے اس روایت کو نقل کیا اور ابو عبد اللہ قسم ثقفی نے بھی اسے نقل کیا لیکن ان دونوں حضرات نے اس روایت کا صرف پہلا حصہ نقل کیا، دوسرا حصہ (جس میں حضرت عمر نے منکر نکیر سے سوالات کئے) نقل نہیں کیا۔(یعنی اس حصے کے نقل کرنے میں علامہ محب الدین طبری منفرد ہیں اور پھر انہوں نے اسے بلاسند روایت کیا ہے۔ لہٰذا اسے بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔)

(الریاض النضرۃ: المحقق: عبد المجید طعمۃ حلبی، جلد2، صفحہ 298،297، الرقم:749، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم وعلمه جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ

27 جمادی الاخری 1442ھ 10 فروری 2021

ناک اور کان کی بالی میں بوقتِ غسل پانی بہانا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ عورت نے ناک اور کان میں بالیاں وغیرہ ڈالی ہوں تو فرض غسل کے وقت ان کے سوراخوں میں پانی بہانا ضروری ہے؟ سائل: مولانا محمد آفتاب الازہری (Uk)

الجواب

عورتوں کا ناک اور کان میں زیورات پہننے کیلئے چھید (سوراخ) کروانا جائز ہے۔ اور عورتوں کا غسل و وضو لازم ہونے کی صورت میں اگر ناک اور کان کے زیورات کا سوراخ تنگ نہ ہو اور حرکت دے کر پانی بہانا ممکن ہو تو پانی بہانا فرض ہے کہ بغیر پانی بہائے غسل ہو گا ہی نہیں۔ اور اگر سوراخ بند ہو چکا کہ اب حرکت دینا ممکن نہیں تو ضروری نہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: "وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ" اگر تم جنب ہو تو خوب پاک ہو جاؤ یعنی غسل کرو۔ (پارہ 6، المائدۃ، 6)

اور فرماتا ہے: "حَتّٰى يَطْهُرْنَ"۔ یہاں تک کہ وہ حَیض والی عورتیں اچھی طرح پاک ہو جائیں۔ (پارہ 2، البقرۃ، 222)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **"ان تحت کل شعرۃ جنابۃ فاغسلوا الشعر وانقوا البشر"**۔

یعنی ہر بال کے نیچے جنابت ہے تو بال دھوؤ اور جلد کو صاف کرو۔

(سنن أبي داود، کتاب الطھارۃ، باب في الغسل من الجنابۃ، الحدیث:248، جلد1، صفحہ 180، دار الرسالۃ: بیروت)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **"من ترک موضع شعرۃ من جنابۃ لم یغسلھا فعل بہ کذا وکذا من النار"**۔

یعنی جو شخص غُسلِ جنابت میں ایک بال کی جگہ بے دھوئے چھوڑ دے گا اس کے ساتھ آگ سے ایسا ایسا کیا جائے گا۔ (یعنی عذاب دیا جائے گا) (سُنَنُ اَبِی دَاوٗد، جلد1 صفحہ 181 حدیث 249، دار الرسالۃ: بیروت)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عورتوں کو نتھ یا بلاق (ایک زیور جو کہ ناک میں پہنتے ہیں) کے لئے ناک چھیدنا جائز ہے جس طرح بالوں، بالیوں، کان کے گہنوں کے لئے کان چھیدنا۔۔۔ میں کہتا ہوں اس میں کچھ شک نہیں کہ کان چھیدنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعارف اور مشہور تھا اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر اطلاع پائی مگر ممانعت نہیں فرمائی۔

(فتاوی رضویہ، باب الحظر والاباحت، جلد 23، صفحہ 483، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

اور فرماتے ہیں: "انگوٹھی، چھلّے وغیرہا جائز، ناجائز ہر قسم کے گہنے (زیورات) مرد، عورت سب کے لئے جب کہ تنگ ہوں کہ بے اُتارے اُن کے نیچے پانی نہ بہے گا اُتار کر دھونا فرض ہے ورنہ ہلا ہلا کر پانی ڈالنا کہ ان کے نیچے بَہہ جائے مُطلقاً ضرور ہے۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الطہارۃ، جلد 1، حصہ 1، صفحہ 285، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

اور فرماتے ہیں":کانوں میں بالی پتّے وغیرہ زیوروں کے سوراخ کا غسل میں وہی حکم ہے جو ناک میں بلاق وغیرہ کے چھید کا غسل و وضو دونوں میں تھا"۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الطہارۃ، جلد 1، حصہ 2، صفحہ 603، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

اور فرمایا:ناک کا سوراخ اگر کوئی گہنایا تنکا ہو تو اسے پھرا پھرا کر ورنہ یونہی دھار ڈالے، ہاں اگر بالکل بند ہو گیا تو حاجت نہیں۔

(المرجع السابق:صفحہ 599)

صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ناک کا سوراخ، کانوں میں بالی وغیرہ زیوروں کے سوراخ کا وہی حکم ہے جو ناک میں نتھ کے سوراخ کا حکم وُضو میں بیان ہوا۔

(بہار شریعت: کتاب الوضو، جلد 1، حصہ 2، صفحہ 317، مکتبۃ المدینہ: کراچی)

اور فرمایا:نتھ کا سوراخ اگر بند نہ ہو تو اس میں پانی بہانا فرض ہے اگر تنگ ہو تو پانی ڈالنے میں نتھ کو حرکت دے ورنہ ضروری نہیں۔

(المرجع السابق:صفحہ 289)

الجواب صحیح	**و اللہ تعالی اعلم و علمه جل مجدہ أتم و أحکم**
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفي عنه الباري	**کتبه: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنه**
	10 جمادی الاخری 1441ھ 24 جنوری 2021

فوت شدہ کا عقیقہ کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا فوت شدہ کا عقیقہ کرسکتے ہیں؟ سائل:عبد اللہ

الجواب

فوت شدہ کی طرف سے عقیقہ نہیں کرسکتے، اگرچہ وہ بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوا یا اس کے بعد، کیونکہ عقیقہ بچے کی پیدائش پر بطور شکرانہ ثابت ہے، اور جب وہ فوت ہو گیا تو شکر کا موقع ہی نہ رہا۔ اور جو بچہ سات دن سے پہلے فوت ہو گیا اور اس کا عقیقہ نہ کیا تب بھی اس کے والدین روز قیامت اس کی شفاعت کے مستحق ہوں گے، جبکہ وہ ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں، اور اگر بچہ سات دن سے زائد گزار کر فوت ہوا اور استطاعت ہونے کے باوجود اس کا عقیقہ نہ کیا تو والدین اس کی شفاعت کے مستحق نہ ہوں گے۔ البتہ فوت شدہ کی طرف سے بطور ایصال ثواب قربانی کرسکتے ہیں۔ لہذا عقیقہ کے بجائے فوت شدگان کی طرف سے قربانی کی جائے۔

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مردہ کی طرف سے قربانی بلاشبہ جائز ہے اور عقیقہ شکر نعمت ہے بعد زوال نعمت اس کا محل نہیں، ولہذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔ اور عقیقہ بعد موت کہیں ثابت نہیں، جو بچہ سات دن سے پہلے مر گیا عقیقہ نہ کرنے سے جو الزام آتا کہ وہ شفیع ہو گا، یہاں نہ ہو گا کہ شرع نے جو اس کا وقت مقرر فرمایا اس سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، اور سات دن بعد مرا اور استطاعت تھی تو اس کی شفاعت کا استحقاق نہیں۔ (فتاوی رضویہ: کتاب العقیقہ، جلد 20، صفحہ 592، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

اور فرماتے ہیں: مُردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے۔ سات دن سے پہلے مر گیا تو ابھی عقیقہ کا وقت ہی نہ آیا تھا اور بعد کو مرا تو عقیقہ کیا، اس بچے کی شفاعت کا مستحق نہ ہو گا، اگر بلاوجہ باوصف استطاعت نہ کیا۔

(المرجع السابق: صفحہ 593)

اور ایک جگہ فرمایا: جو مر جائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہو سکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے سات دن سے پہلے مرجانا درکنار۔ (المرجع السابق: صفحہ 596)

اور ارشاد فرمایا: جو بچہ قبل بلوغ مر گیا اور اس کا عقیقہ کر دیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مر گیا ان سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے وہ اس کی زندگی ہی میں ہے بعد مرگ کسی کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے تو ان کو ثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعد موت قربانی کرنا اجر عظیم ہے اس کے لئے بھی اور اس کے والدین کے لئے بھی۔

(المرجع السابق: صفحہ 597، 596)

الجواب صحیح	واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم و أحکم
أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري	کتبہ: ابو حمزہ محمد آصف مدنی عفی عنہ
	6 جمادی الاخری 1442ھ 20 جنوری 2021ء

مساجد میں کاروباری اعلانات کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اپنے کاروبار کا مسجد میں بار بار اعلان کروانا کیسا؟ مثلاً ایک ہفتہ میں تین بار اپنے کلینک میں مختلف ڈاکٹروں کے آنے کا اعلان اور یہی اعلان ہر ہفتے میں تین بار ایک ہی مسجد میں کروانا کیسا ہے؟

سائل: غلام عباس (گوجرانوالہ، پنجاب، پاکستان)

الجواب

پوچھی گئی صورت میں مسجد میں اسپیکر وغیرہ پر ایسا اعلان کرنا ناجائز و گناہ ہے، کیونکہ مساجد نماز ادا کرنے کے لیے بنائی جاتی ہیں، نہ کہ اعلانات کرنے کے لیے، اور ایسے اعلانات عین مسجد میں ہرگز نہیں کر سکتے اور اگر اسپیکر محراب میں رکھا ہو تو وہاں بھی نہیں کر سکتے، البتہ مسجد کے دروازے سے باہر یا فنائے مسجد میں کیے جاسکتے ہیں اور اگر اسپیکر استعمال کریں تو اسپیکر بھی مسجد سے باہر ہو۔ اور ان کاموں کے لیے مسجد کا اسپیکر بھی اسی صورت میں استعمال کیا جائے گا، جبکہ وہ اسپیکر کسی شخص نے ذاتی طور پر دیا ہو اور ایسے اعلانات کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو یا لوگوں کے چندے سے ہو اور وہاں اس طرح کے اعلانات کے لیے مسجد کا اسپیکر استعمال کرنے کا عرف بھی ہو اور اس کے ساتھ مسجد کی بجلی کا بل بھی کوئی شخص ذاتی طور پر یہ جانتے ہوئے دیتا ہو یا لوگوں کے چندے سے یہ بل ادا ہوتا ہو، کیونکہ مسجد کی اشیاء کو ان کے عرف کے مطابق ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مسجدوں کو بنانے کے مقصد کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے:

"عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اسے کہہ دے کہ اللہ تعالی تیری چیز نہ لوٹائے، مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنیں۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن نشد الضالۃ۔۔۔الخ، جلد 1، صفحہ 254، حدیث 568، مطبوعہ: بیروت)

اسی میں ہے:

"عن بریدۃ، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما صلی قام رجل فقال من دعا الی الجمل الاحمر، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا وجدت، انما بنیت المساجد لما بنیت لہ"۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کون میرا سرخ اونٹ لے گیا ہے؟، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ تجھے نہ ملے، مسجدیں اسی کام کے لئے ہیں جس کام کے لئے بنائی گئی ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی نشد الضالۃ۔۔۔الخ، جلد 1، صفحہ 210، حدیث 569، مطبوعہ: بیروت)

در مختار میں ہے: **"ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء مطلقاً وانشاد ضالۃ"۔**

یعنی مسجد میں بھی مانگنا حرام ہے اور اس (مسجد کے بھکاری) کو دینا مطلقاً مکروہ ہے، اور مسجد میں گمشدہ چیز تلاش کرنا بھی ہرگز جائز نہیں"۔

اس کے تحت علامہ محمد امین ابن عابدین شامی علیہ رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں: **"ھی الشئی الضائع وانشاد السوال عنھا"۔**

یعنی گمشدہ چیز وہ جو ضائع ہو گئی ہو اور اس کے تلاش کرنے سے مراد ہے کہ دوسروں سے اس کے بارے میں پوچھنا (کہ میری فلاں چیز کسی کو ملی تو نہیں، تو جب اپنی گمشدہ چیز کے بارے میں مسجد میں اعلان کرنا تو درکنار فقط لوگوں سے پوچھتے پھرنا جائز نہیں تو کاروبار کے اعلان کے جائز ہونے کی بھلا کیا صورت ہو سکتی؟)

اور صفحہ 436 پر فرماتے ہیں: **"لان المسجد ما بنی لامور الدنیا"۔**

یعنی کیونکہ مسجد دنیاوی کاموں کیلئے نہیں بنائی گئی۔

اور محراب کے عین مسجد سے ہونے کے بارے میں فرمایا:

"والمحراب وان کان من المسجد الخ انما بنی علامۃ لمحل قیام الامام لیکون قیامہ وسط الصف کما ھو سنۃ"۔

یعنی محراب اگرچہ مسجد ہی سے ہے الخ بس اسے اس غرض کے واسطے بنایا جاتا ہے کہ صف کے درمیان کی نشانی رہے کیونکہ امام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا سنت ہے۔ (در مختار مع رد المحتار: کتاب الصلوۃ، باب احکام المسجد، جلد 2، صفحہ 433، دار عالم الکتب: ریاض)

فتح القدیر میں ہے:

"وینبغی أن یعرفھا فی الموضع الذی أصابھا فیہ یعنی الاسواق وابواب المساجد فینادی من ضاع لہ شیء فلیطلبہ عندی"۔

ترجمہ: اور مناسب یہ ہے کہ وہ اس جگہ اعلان کرے، جہاں ملی یعنی بازاروں اور مساجد کے دروازوں میں، پس وہ اعلان کرے کہ جس کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو، تو وہ مجھ سے لے لے۔ (فتح القدیر: کتاب اللقطہ، جلد 4، صفحہ 426، مطبوعہ: مصر)

امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:

"شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا ہے، جس کے لئے مساجد کی بنا نہ ہو۔

(فتاوی رضویہ، جلد 8، صفحہ 408، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وقار ملت **مفتی وقار الدین قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مسجد میں بھیک مانگنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں کہ ان میں بھیک مانگی جائے، مسجد میں بھیک دینا بھی ممنوع ہے، مسجد سے باہر دے سکتے ہیں، مسجد میں کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا، جائز نہیں، لہذا مسجد کے اسپیکر سے گمی ہوئی چیز کا اعلان کرنا بھی جائز نہیں ہے۔" (وقار الفتاوی، جلد 2 صفحہ 274، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی)

مسجد کی اشیاء کو عرف کے مطابق استعمال کرنے کے بارے میں فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولا یجوز ان یترک فیه کل اللیل الا فی موضع جرت العادۃ فیه"۔

ترجمہ: مسجد میں ساری رات چراغ جلانا، جائز نہیں مگر جہاں اس کی عادت جاری ہو گئی ہو، وہاں جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، جلد 2، صفحہ 459، مطبوعہ کوئٹہ)

مسجد کی چیزوں کو غیر مصرف میں خرچ کرنے کے حوالے سے صدر الشریعہ **مفتی محمد امجد علی اعظمی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مسجد کی اشیاء مثلا لوٹا چٹائی وغیرہ کو کسی دوسری غرض میں استعمال نہیں کر سکتے۔۔یوہیں مسجد کے ڈول رسی سے اپنے گھر کے لئے پانی بھرنا یا کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بے موقع اور بے محل استعمال کرنا، ناجائز ہے۔"

(بہار شریعت، جلد 2، صفحہ 561 تا 562، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

کتبہ: ابو محمد آصف مدنی عفی عنہ

14 جمادی الاخری 1442ھ 28 جنوری 2021ء

الجواب صحیح

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري

بلا شرعی وجہ امام کو معزول کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ہماری مسجد میں جو امام ہیں وہ ماشاء اللہ بہترین حافظ، تعلیم یافتہ ہیں اور نماز کے تعلق سے ضروری مسائل سے واقف بھی ہیں، لیکن کچھ لوگ ان کو زبردستی نکالنے پر بضد ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی اچھے عالم اور مفتی کو امامت کے لئے رکھیں گے؟ سائل: عبد اللہ، پاکستان

الجواب

حقیقی عالم و مفتی کا مسجد کی امامت کے فرائض سرانجام دینا بہت بڑی سعادت ہے اور حتی الامکان ہر مسجد میں کسی اچھے عالم و مفتی کو ہی منصب امامت پر فائز کرنا چاہئے لیکن فقط اس مقصد کے حصول کیلئے سابقہ امامت کے اہل شخص کو معزول کرنا جبکہ اس میں کسی طرح کی کوئی شرعی خرابی نہ ہو ہرگز درست نہیں۔

لہذا پوچھی گئی صورت میں موجودہ امام کے اندر اگر شرعاً مُوجب کراہت (ناپسندیدگی کی) کوئی بات نہیں ہے، مسجد کمیٹی اور اکثر نمازیوں کو بھی موجودہ امام سے کوئی شکایت نہیں اور امام صاحب، امامت کے اوصاف سے متصف بھی ہیں تو بلاوجہ ان کو ہٹانے کی اجازت نہیں ہے البتہ اگر امام قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو یا اس کا عقیدہ صحیح نہ ہو یا وہ داڑھی مونڈاتا یا ایک مٹھی سے گھٹاتا ہو یا دیگر منکرات و معاصی (گناہوں) کا ارتکاب کرتا ہو تو ان وجوہ و اسباب کی بنا پر اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

"كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم على من كرهه۔"

یعنی سب سے زیادہ عذاب دو شخصوں کے لئے ہے: (1) اس عورت کے لئے جو شوہر کی نافرمانی کرے اور (2) وہ امام جو مقتدیوں کے ناراض ہونے کے باوجود امامت کرے۔ جریر منصور کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے امام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد ظالم امام ہے۔ لیکن اگر وہ (شریعت و) سنت پر قائم ہو تو وہ مقتدی گناہگار ہوں گے (جو اس سے بیزار ہیں یا اس کی بلاوجہ شرعی مخالفت کرتے ہیں۔) (سنن الترمذی، الصلاۃ، باب ماجاء فی من أم قوماً وہم لہ کارھون، رقم: ۳۵۹)

امامت کیلئے زیادہ بہتر کون ہے اس بارے میں امام اہلسنت **امام احمد رضا خان قادری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اولی بامامت کسے است کہ مسائل نماز وطہارت داناتر است در تنویر است

"الاحق بالامامة الاعلم باحكام الصلوة"

یعنی امامت کے لئے وہ شخص لائق اور بہتر ہے جو مسائلِ نماز و طہارت میں زیادہ آگاہی رکھتا ہو، تنویر میں ہے امامت کا زیادہ حقدار وُہ ہے جو احکام نماز سے زیادہ آگاہ ہو۔ (در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲)

اور کم از کم امام کیسا ہونا چاہئے اس بارے میں فرماتے ہیں:

امام ایسا شخص کیا جائے جس کی طہارت صحیح ہو قرأت صحیح ہو سنّی صحیح العقیدہ ہو فاسق نہ ہو اس میں کوئی بات نفرت مقتدیان کی نہ ہو مسائلِ نماز و طہارت سے آگاہ ہو۔ (فتاوی رضویہ: جلد6، صفحہ 618، رضا فاؤنڈیشن: لاہور)

بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

"استفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم اهلية"

بغیر جرم نگران کی معزولی کی عدم صحت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وقف کا کوئی نگران باوظیفہ ہو تو بھی بغیر جرم اور نااہلیت کے بغیر معزول نہیں کیا جاسکتا۔ (بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۷)

امام اہلسنت امام احمد رضاخان قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بغیر عذر شرعی کے امام کو خارج کرنیکا متولی وغیرہ کسی کو حق نہیں۔ درمختار میں ہے: "لایجوز عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة"

یعنی کسی صاحب وظیفہ کو بغیر جرم کے معزول کرنا جائز نہیں۔ (فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱)

(ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶و۴۱۹)

(فتاوی رضویہ جلد ۱۶ صفحہ ۵۸۷، رضافاؤنڈیشن:لاہور)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

(امام) بدمذہب نہ (ہو)، اس کی طہارت یا قراءت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی وجہِ کراہت (بھی نہ ہو) تو بلا وجہ اس کو معزول کرنا ممنوع (منع) ہے حتی کہ حاکم شرع (بادشاہ و قاضی اسلام) کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔

(فتاوی رضویہ: جلد 3، صفحہ 241، رضافاؤنڈیشن لاہور)

لہذا جو لوگ بغیر کسی شرعی خرابی کے امام کو منصب امامت سے ہٹانے پر اڑے ہیں وہ سخت غلطی پر ہونے کے ساتھ ایذائے مسلم پر بھی آمادہ ہیں اور ایذائے مسلم حرام ہے حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من اذی مسلما فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللہ"

یعنی جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

(معجم الاوسط، باب السین، من اسمہ: سعید، ۲ / ۳۸۶، الحدیث: ۳۶۰۷)

لہذا ان لوگوں پر لازم ہے کہ اس غیر شرعی فعل سے باز رہیں اگر وہ نہ مانیں تو مسلمان ایسے فتنہ پرور لوگوں سے دور رہیں اور ان کو اپنے سے دور رکھیں خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے: "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" (پارہ 12 سورہ ہود آیت 113)

الجواب صحیح — واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفی عنه الباري — کتبہ: ابو محمد آصف مدنی عفی عنہ

14 جمادی الاخری 1442ھ 28 جنوری 2021ء

سیدنا مولیٰ علی کو افضلُ الصحابہ کہنے والے کی امامت کا حکم

زید ہماری مسجد کا امام ہے اور کہتا ہے کہ میرے نزدیک سیدنا مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ علیہ تمام امت یہاں تک کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں، کیا ہم زید کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

زید کا عقیدہ اہلسنت کے متفقہ عقیدہ کے خلاف ہے لہذا اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ، اگر پڑھ لی تو لوٹانا واجب ہے۔

اس کی مزید تفصیل امام اہلسنت **امام احمد رضاخان قادری** رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح کے کئے گئے ایک سوال و جواب سے من وعن پیش کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں چنانچہ آپ سے سوال ہوا کہ

اہلسنت وجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل البشر ہیں، زید وخالد دونوں اہل سادات ہیں، زید کہتا ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر فضیلت دیتا ہے اُس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ خالد کہتا ہے کہ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فضیلت ہے اور ہر سید تفضیلیہ ہے اور تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ نہیں ہوتی بلکہ جو تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ بتائے خود اس کے پیچھے مکروہ ہوتی ہے۔

الجواب

تمام اہلسنت کا عقیدہ اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر وفاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے افضل ہیں، ائمہ دین کی تصریح ہے جو مولٰی علی کو اُن پر فضیلت دے مبتدع بد مذہب ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

فتاویٰ خلاصہ وفتح القدیر وبحر الرائق وفتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے: **ان فضل علیا علیہما فمبتدع**

یعنی اگر کوئی شخص حضرت علی کو صدیق وفاروق، پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ کتاب الصلوٰۃ الاقتداء باھل الھوائ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱ /۱۴۹)

ف: خلاصۃ الفتاویٰ میں "**ان فضل علیا علی غیرہ**" ہے۔

غنیہ وردالمحتار میں ہے: **الصلٰوۃ خلف المبتدع تکرہ بکل حال**

یعنی بدمذہب کے پیچھے ہر حال میں مکروہ ہے۔ (ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱ /۴۱۴)

ارکانِ اربعہ میں ہے: **الصلوۃ خلفھم تکرہ کراھۃ شدیدۃ**

یعنی ان تفضیلی حضرات کی اقتداء میں نماز شدید مکروہ ہے۔ (رسائل الارکان فصل فی الجماعۃ مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص۹۹)

ف: عبارت مفہوماً منقول ہے لفظاً نہیں۔ الفاظ یوں ہیں: **فیجوز خلفھم الصلٰوۃ لکن یکرہ کراھۃ شدیدۃ**۔

تفضیلیوں کے پیچھے نماز سخت مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم

الجواب صحیح — **واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم**

أبو أطهر محمد أظهر العطاري المدني عفى عنه الباري — **کتبہ: ابو محمد آصف مدنی عفی عنہ**

18 جمادی الاولیٰ 1441ھ 3 جنوری 2021